رختِ سفر

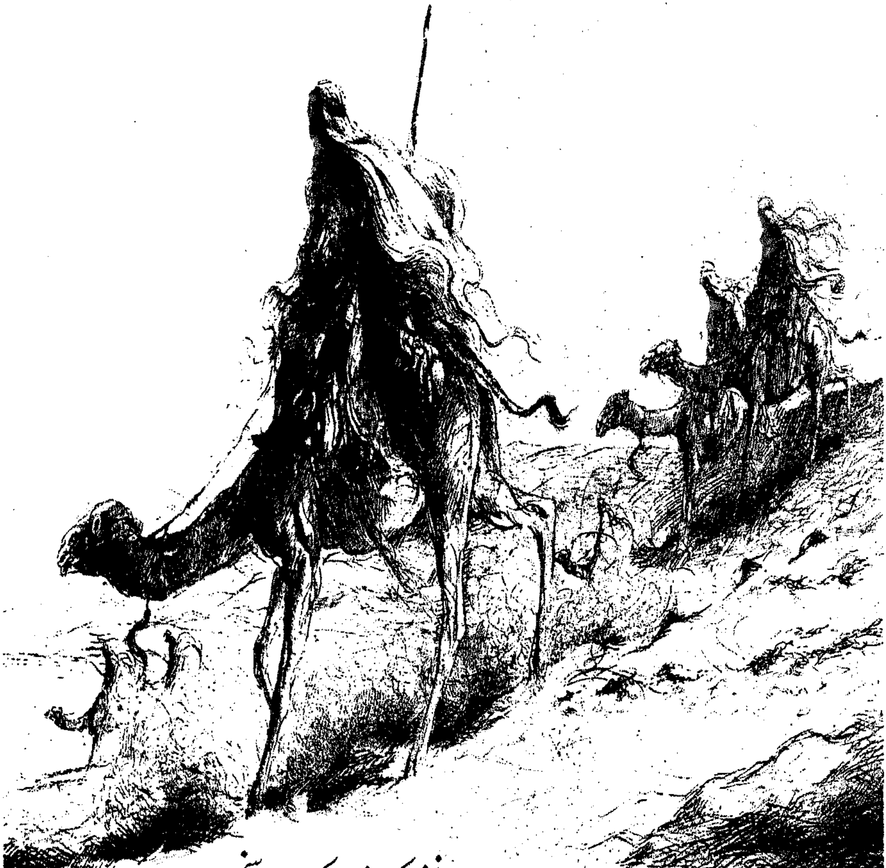

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ است
سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

A Spiritual Travelogue of Egypt and the Holy Harmain Sharifain by Syed Basheeruddin Zamani

دیباچہ

اس مختصر رسالہ کے لیے کسی دیباچہ کی ضرورت نہیں۔ سفر کسی زمانے میں وسیلہ ظفر ہوتا تھا۔ مگر اب یہ ایک مشغلہ اور کھیل سیر سپاٹا ہے۔ کسی کے لئے جنسی ترغیبات اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کا بہانہ ہے۔ اہرام مصر دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ لیکن یہ درحقیقت تراشے ہوئے پتھروں کا ڈھیر ہی تو ہے۔ جو کھڑا فرعون اور آل فرعون کے لئے ماتم کناں نظر آتا ہے۔ اس کے مقابل تاج محل سنگ مرمر کی خوبصورت جالیوں میں صناعی کی ماہرانہ نزاکت خیال کا شاہکار نظر آتا ہے جو سیر کرنے اور آنے والوں کے لیے پیغام دیتا ہے۔ انسان بھی ایک عجوبہ روزگار ہے۔ اس کے خمیر میں جگہ جگہ کی مٹی موجود ہے۔ اس کو جب بھی کسی کام سے منع کیا گیا ہے۔ اس نے وہی کام بار بار کیا ہے۔ اس کو جو پیغام پہنچایا گیا وہ کبھی پورا نہیں کیا۔ وہ بھول گیا جو اس کی فطرت ہے۔ تاریخ سنی سنائی باتوں اور روایات پر یقین نہیں کرتی۔ مستند حقائق اور معلومات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے لئے ہمارے پاس قرآن الکریم سے زیادہ مستند کوئی ماخذ نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے اس سفر نامہ میں مذہبی رنگ غالب آ گیا ہے مذہب انسان کے لیے ضروری ہے۔ اور مذہب کے لیے عبادت ضروری ہے۔ اور عبادت کے لیے سکون دل اور تنہائی چاہیے۔ آجکل دل کے امراض سب ہی لیے بیٹھے ہیں۔ اور سکون کے نام کی کوئی چیز اس دنیا میں نہیں ہے اگر کسی کو یہ دونوں چیزیں چاہئیں۔ تو وہ آئیں ہمارے ساتھ مکہ معظمہ جہاں در توبہ ابھی کھلا ہے۔ اور پھر آئیں ہمارے ساتھ مدینہ منورہ روضہ رسول مقبول ﷺ کے دیدار جمال سے فیضیاب ہوں۔ اور دیکھیں دل کے اندر سے کیا جواب آئے خواہی اگر نجات بیا بدر حبیب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سال ۲۰۰۲ء جس سکون سے گذر رہا تھا وہ کسی آنے والے سال کی جنگی جنون اور بے چینی کی پیشین گوئی کر رہا تھا۔ ابھی اس کے گذرنے میں چند اور دن باقی تھے۔ کہ شمالی انگلستان کی برفانی ہواؤں نے سارے لندن کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ابھی کرسمس کی چھٹیاں شروع نہیں ہوئیں۔ کہ محبوب کے کوئے جاناں کے جانے والے۔ اپنے اپنے جہاز کی نشستیں پہلے ہی سے محفوظ کروا چکے تھے۔ لندن کی سردی سے بچنے کے لیے ہم بھی پر تول رہے تھے۔ مگر سوچ رہے تھے کہ جائیں تو جائیں کہاں؟ تھامس کک کے مشورے سے مصری ائیر لائن سے رابطہ کیا اور ہلٹن انٹرنیشنل نے ہماری میزبانی قبول کرلی پھر کیا تھا۔ ہمارا منصوبہ اپنے بجٹ کی گنجائش کے اندر کامیاب رہا اور دو ہفتہ کی سیر اور سیاحت کا کمپیوٹرائیزڈ پروگرام ہمارے ہاتھ میں آگیا۔ اس کے مطابق ہم کو قبل مسیح کی تاریخ سے گزرتے ہوئے موجودہ صدی عیسوئی میں اپنے گھر لندن واپس پہنچ جانا ہے۔

چودہ دسمبر سنہ ۲۰۰۲ء بروز ہفتہ ہم پانچ افراد خاندان لندن کے ہیتھرو ائیر پورٹ پر بیٹھے تھے۔ ہمارے ساتھ انتظار گاہ میں بیٹھے بہت سے مسافر ٹیلی ویژن اسکرین پر نظریں جمائے اپنی اپنی ائیر لائن کے گیٹ کھلنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ائیر پورٹ کے باہر موسم سرد تھا ہوائیں چل رہی تھیں ہلچل شروع ہوئی۔ لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر چلنے لگے اور ہم بھی ان میں شامل ہو گئے۔ گیٹ نمبرے پر مصری ائیر لائن کا جہاز ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اور ہم اس میں جا گھسے اور اپنی اپنی سیٹ کے

بیلٹ باندھے چلنے کو تیار تھے۔ جہاز نے حرکت کی ۔۔۔۔ چلا ۔۔۔۔۔ رک گیا ۔۔۔ پھر چلا اور دوڑا ۔۔۔ دوڑتے دوڑتے زمین چاٹتے ہوئے۔ ہواؤں کی فضاؤں میں بلند ہوگیا۔ جہاز کے اندر ٹیلی ویژن اسکرین روشن ہوا اور پائیلیٹ نے اپنی اڑان کی تفصیلات جیسے جہاز کی رفتار۔ بلندی اور اونچائی ۔۔ وقت اور فاصلہ ۔۔ لندن اور مصر کا اور ان کے درمیان فرق بتا رہا تھا۔ کچھ بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ اور ہم تھے کہ اپنے سفر کی ادھیڑ بن میں لگے تھے۔ جہاز اپنی پوری رفتار سے یورپ کی فضاؤں میں اپنی منزل کی طرف جا رہا تھا۔ اور راستے کے نشانات اسکرین پر دکھا رہا تھا کوہِ آلپس کی پہاڑیاں اور ہم سمجھ رہے تھے کوہ ارارات ہے۔ جہاں حضرت نوحؑ کی کشتی نے سیلاب عظیم سے بچ بچا کے اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کو اس پر اتارا تھا۔ اور ہم اس طرح ماضی کی تاریخ کے صفحات اپنے ذہن اور حافظے میں الٹنے اور پلٹنے لگے۔ اس دنیا کی موجودہ آبادی کی اصل بنیاد یہی کشتی والے تھے۔ اور عبدالرحمان ابن خلدون کی تحقیق بھی یہ ہے کہ فرزندانِ نوحؑ کے بیٹے حام اور سام اور ان کے پوتے عاد اور ارم کی نسل سے مصر کی آبادی کی ابتداء ہوئی تھی۔

مصر کی قدیم تہذیب اور تمدن سے بھی پہلے بابل اور نینوا کی سامری اور سمیری تہذیبیں بہت مشہور تھیں۔ یہ ستارہ پرست اور بت پرست قومیں تھیں اور مشہور یہ ہے۔ کہ اس زمین پر بت پرستی کی ابتداء حضرت نوحؑ کے زمانے سے ہوئی تھی۔ ان کی قوم نے پانچ نیک متقی لوگوں کو اپنی محبت اور عقیدت سے پوجنا شروع کر دیا تھا اور ان کے مجسمے بنا کے جگہ جگہ رکھ چھوڑے تھے۔ یہ سب ایک ہی ماں کے چار بیٹے اور ایک بیٹی سوعؑ مقدس اوتار سمجھے جاتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی ہے۔ اور سورۂ قبر اے میں ان کے نام بھی گنائے ہیں۔ آج بھی ہندوستان میں ہندو دھرم میں ایک ہی خاندان کے پانچ مذہبی اوتار مشہور ہیں۔ رام۔ لکشمن۔ دسرتھ۔ ستر دھن۔

یہ چار بھائی اور سیتا دیوی جو رام کی بیوی تھی ہر سال ہندوان کی پوجا کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ دسہرہ کی عید کی چھٹی مناتے ہیں۔ مذہب ہر انسان کے لیے ضروری ہے اور قدیم قوموں نے اپنے عقیدہ اور سمجھ کے مطابق کوئی نہ کوئی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اور بت پرستی ہر جگہ عام تھی۔ کچھ قومیں ستارہ پرست تھیں جو صابی کہلاتی تھیں۔ کچھ قومیں چاند اور سورج کو پوجتی تھیں۔ بابل اور نینوا میں کلدان کا بہت بڑا بت خانہ تھا۔ جو شاہی سرپرستی میں چلتا تھا بت خانہ کا سارا انتظام مذہبی علماء، مذہبی پیشوا، پروہت اور کاہن چلاتے تھے۔ ان کے ذمے بادشاہ کو مشورہ دینا موسم کی پیشین گوئی کرنا مذہب کی حفاظت کرنا بتوں کے چڑھاوے اور ان کا حصہ آپس میں تقسیم کرنا اور مندروں کی حفاظت کرنا ہوتا تھا۔ یہ کاہنوں اور پروہتوں کی جماعت ہر زمانے میں اور ہر ملک میں بڑی عزت کے ساتھ دیکھی جاتی تھی۔ چنانچہ مصر کی قدیم تہذیب اور تمدن میں بھی کاہن اور پروہت بادشاہ کے بہت قریب ہوتے تھے۔ مصر میں بھی فرعونوں کے خاندان سورج دیوتا کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ انہی کاہنوں کے خاندان سے چلے آرہے تھے۔ اور حضرت زکریاؑ بھی کاہن خاندان کی نسل سے تھے۔ جنہوں نے حضرت بی بی مریم کی ہیکل میں نگرانی کی تھی اور ان کا خاندان آلِ عمران بڑا مقدس اور محترم مانا جاتا تھا۔ اسی خاندان میں حضرت عیسیٰ مسیحؑ ابن مریم اور اسی خاندان میں نبوت اور رسالت دونوں آئیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ انسانوں کی دنیا میں تین خاندانوں کو عزت بخشی ایک حضرت نوحؑ کا خاندان جو سب سے پہلے آیا۔ ان کی پانچویں پشت میں ایک ہزار سال بعد حضرت ابراہیمؑ بابل اور نینوا کے شہر میں ہمیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ جو بت پرست تھا۔ حضرت ابراہیمؑ بت پرستی کے خلاف تھے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انھیں اپنی معرفت عطا کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کی علانیہ مخالفت کی۔ اور جب لوگ نہیں

مانے تو حضرت ابراھیمؑ نے اپنے ملک اپنے شہر اپنے خاندان سے بیزار ہوکر وہ جگہ چھوڑ کر جلا وطنی اختیار کرلی۔ اور ملکِ شام فلسطین چلے آئے۔ اُن کے ساتھ ان کی بیوی سارہؓ اور ان کے چچا زاد بھائی لوطؑ بھی چلے آئے تھے۔ یہ تین اسلام کے پہلے مہاجر ہیں۔ جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنا وطن اور اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کو تمام انبیاء کا امام الانبیا بنایا۔ اور قیامت تک سارے دنیا کے مسلمان اپنی اپنی نمازوں میں حضرت ابراھیمؑ اور ان کی آل پر اور اولاد پر درود اور سلام بھیجتے رہیں گے۔ حضرت ابراھیمؑ شام سے مصر گئے۔ اور وہاں کے بادشاہ کے پاس پہنچے۔ اور بادشاہ ان کی باتوں اور خیالات سے بہت خوش ہوا۔ اور محبت سے اپنے قبطی قبیلے کی لڑکی حاجرہ سے ان کی شادی کردی۔ حضرت ابراھیمؑ بی بی حاجرہؓ کو اپنے ساتھ لے کر ملکِ شام آئے اور کچھ دنوں بعد حضرت بی بی حاجرہؓ سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام اسماعیل تھا۔ ایک مرد کی دو بیویاں ایک ہی گھر میں آپس میں خوش نہیں رہ سکتی تھیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیمؑ کو حکم دیا! کہ بی بی حاجرہؓ اور ان کے نومولود بچے کو ہمارے پاس لاکر چھوڑ دو۔ اور وہ جگہ بھی بتادی تھی۔ حضرت ابراھیمؑ اپنی بیوی اور بچے کو اپنی اونٹنی پر بٹھا کر عربستان کے صحرائے ریگستان میں لے آئے۔ اور وہاں کوہِ صفا اور مروہ کی وادی میں جہاں نہ کوئی درخت تھا اور نہ کوئی کنواں تھا۔ وہاں ان کو چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ بیوی نے شوہر سے پوچھا؟ کہ تم مجھے اس معصوم بچے کے ساتھ یہاں اکیلا چھوڑ کر کس کے سہارے جارہے ہو۔ تو شوہر نے جواب دیا بی بی مجھے جس نے حکم دیا۔ وہی تمہارا والی اور سہارا بنے گا میری ذمہ داری ختم ہوگئی۔ یہاں سے دوسری کہانی شروع ہوتی ہے جو اسلام کی تسلیم ورضا کی تعلیم دیتی ہے۔

ہم قاہرہ انٹرنیشنل ائیرپورٹ سے باہر آئے ہلٹن ہوٹل کا ڈرائیور ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ہم

کوڈھونڈ ہی رہا تھا۔ کہ ہم اس کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے ہم کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک گھنٹے کے اندر رات نو بجے ہم رعمیس ہلٹن کی ۲۲ ویں منزل پر دو کشادہ کمروں کے سویٹ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کمرہ کے دریچے باہر کی طرف کھلتے تھے۔ ہم نے جب اس کے دبیز پردوں کو ہٹایا۔ تو دیکھا۔ کہ قاہرہ شہر ایک لمبی سڑک پر جگمگاتا ہوا گاڑیوں میں دوڑ رہا تھا۔ دوسری طرف دریائے نیل کی نہر ہلٹن کے سامنے بہہ رہی تھی۔ اور نہر میں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور بادبانی بجرے مختلف رنگوں کے پردے سجے سجائے سیاحوں کے انتظار میں کنارے پر کھڑے تھے۔ دسمبر کی ٹھنڈی سیاہ راتوں میں ہنی مون منانے والا کون سا جوڑا ان کی کشتی اجرت پر لے کر دریائے نیل کا لطف اٹھائے گا۔ دریا کے کنارے ہلٹن کی اونچی منزلوں سے بڑا لطف دے رہے تھے۔ اس دریا کے کنارے قریب قریب ہلٹن کی دو اور شاندار عمارتیں دو مختلف ناموں سے، ہلٹن نیل اور ہلٹن فرعون سیاحوں کے لئے موجود ہیں۔ قاہرہ شہر کا پورا منظر دیکھو۔ تو ایک طرف قدیم گنجان آبادی تنگ سڑکیں اور گھروں کے سامنے ان کی گاڑیاں کھڑی نظر آتی ہیں۔ اور مکانوں کی چھت پر کاٹھ کباڑ پڑا نظر آتا ہے۔ دوسری طرف جدید آبادی بلند و بالا عمارتیں اور مقامی ہوٹل نظر آتے ہیں۔ قاہرہ شہر بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ ریگستان کا ملک ہے۔ دریائے نیل شہر کے بیچوں بیچ بہتا ہے۔ یہ دریا جنوب میں سوڈان سے نکلتا اور مشرق میں دامن جبل مقطم سے چودہ میل لمبا ہے۔ یہ پہلے آٹھ شہروں پر مشتمل تھا۔ قصر الشمع۔ فسطاس۔ بابلون۔ القطیع قدیم شہر ہیں۔ مصر پورا ریگستان ہے اس کے ایک تہائی حصہ پر آبادی ہے۔ دریائے نیل میں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں۔ اور پہاڑوں سے مٹی بہا کر لاتے ہیں۔ اس لئے دریائے نیل کے کنارے کنارے جو زرخیز حصہ ہے وہاں آبادیاں ہیں۔ بارش بہت کم ہوتی ہے۔ آبپاشی کا انتظام بہت اچھا ہے۔ آبادی کا زیادہ تر پیشہ کاشتکاری اور

زراعت ہے اور مویشی پالے جاتے ہیں۔ تجارت پیشہ لوگ بھی ہیں۔ روئی ان کی خاص پیداوار ہے اور لمبا ریشہ اور ملائم خصوصیت کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہے۔ یونیورسٹی اور کالج معیاری ہیں۔ لوگ تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ صرف عربی زبان سے واقف ہیں۔ لوگوں کی عام بول چال عربی ہے انگریزی زبان سے کوئی واقف نہیں ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی جانتا ہے۔ اور لوگ غریب ہیں۔ اور مقامی ہنر جانتے ہیں۔ سادہ زندگی ہے غربت عام ہے۔ ایک ہی قسم کا لباس مرد اور عورت استعمال کرتے ہیں۔ لباس بھی بہت سادہ ہوتا ہے۔ ایک عبا ہوتی ہے جو سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔ عورتوں کی عبا کا رنگ سیاہ یا سفید ہوتا ہے۔ اور مرد مختلف رنگ کی عبا استعمال کر تے ہیں۔ ان کے سر کھلے رہتے ہیں۔ عورتیں اپنے سر پر حجاب رکھتی ہیں۔ عام طور پر لوگ ملنسار اور خوش اخلاق ہیں سیاحوں کی قدر کرتے ہیں۔ پاکستانیوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ٹیکسی ڈرائیور پاکستان اور مصر کے ایک جیسے ہیں۔ ٹیکسی کی اجرت کم سے کم ۲ مصری پاؤنڈ سے ۱۵ یا ۲۰ پاؤنڈ میں آپ پورا شہر گھوم سکتے ہیں۔

مصر نے قدیم تہذیب اور تمدن کو بہت کچھ دیا ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں کئی قومیں آئیں اور اپنا اپنا رنگ جمایا۔ ابتدائی تمدن میں علم نجوم، علم رمل، علم ہندسہ، جادو سحر، طلسم، اور تعبیر خواب اور علم مساحت (جیومیٹری) کو بڑا فروغ تھا۔ اور اس علم کی مدد سے لوگوں نے بڑی بڑی ایجادیں کیں۔ جو وقت اور زمانے نے ناقدری کر کے اس کو مٹا دیا۔ آج کل جو باقی نظر آتا ہے۔ وہ اہرامِ مصر ہیں۔ جو شاہِ فرعون کی ذاتی دلچسپی اور اس کی اپنی ایجاد اور شوق کا نمونہ ہیں۔ اہرام مصر کی تفصیلات ہم وہاں جا کر دیکھ کر ہی بتائیں گے۔ یہ شہر آثارِ قدیمہ کی یادگار ہے اور اس نے بہت سے انقلابات دیکھے ہیں۔

۱۵ دسمبر ۲۰۰۲ء سنہ۔ اتوار کا دن مصر میں عام تعطیل ہے۔ ہم صبح ہلٹن سے نیچے آئے اور اپنا پہلا سفر مصر کے عجائب گھر سے شروع کیا۔ جس کی بڑی شہرت ہے۔ ہوٹل کے باہر بہت سے ٹیکسی والوں نے ہمیں گھیر لیا۔ کچھ ڈرائیور پورے سوٹ میں ٹائی لگائے اور کچھ سیدھا سادھا پینٹ شرٹ پہنے موجود تھے۔ ہم نے ایک عمر رسیدہ ڈرائیور کو جس کی ٹیکسی بھی بڑی تھی۔ جو ہم پانچ افراد کے لئے موزوں تھی۔ اس سے بات کی۔ عجائب گھر کے لئے اس نے دس پاونڈ مانگے۔ اور ہم نے پانچ پر اس کو راضی کیا۔ حالانکہ عجائب گھر صرف دس قدم کے فاصلے پر تھا۔ ڈرائیور ہم کو عجائب گھر لے گیا اور ہم سے باتیں کیں۔ اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عربی زبان سے وہ ہمارا مطلب سمجھ گیا۔ اور کہنے لگا کہ وہ ہم کو یہاں چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اور دوسرے دن صبح ۹ بجے وہ ہوٹل آ کر انتظار کرے گا۔ اور آج کا دن جو دوپہر سے شروع ہو رہا ہے۔ عجائب گھر کے لئے کافی رہے گا۔ اور اپنی اجرت لئے بغیر اپنا ٹیلی فون نمبر دے کر چلا گیا۔

دوپہر کے ۱۲ بجے تھے خیال آیا۔ کہ پہلے ظہر کی نماز کسی قریب کی مسجد میں ادا کریں۔ اور پھر دوسرا کام کریں۔ مسجد سے نکل کر جب آ رہے تھے۔ تو راستے میں پاکستان کا جھنڈا نظر آیا۔ قریب جانے سے معلوم ہوا کہ پاکستان کا ویزا آفس ہے۔ اور سفارت خانہ کسی اور جگہ ہے۔ ہم عجائب گھر کی طرف آئے۔ گیٹ پر پولیس والے اور بہت سے نگران کار اور چوکیدار کھڑے تھے۔ اس کے ساتھ ٹکٹ گھر تھا۔ ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوئے۔ اس کے قریب ایکسرے مشین تھی اس سے گزارا۔ ہمارا موویِ کیمرہ اندر جانے نہیں دیا۔ جب ہم عجائب گھر کی سیڑھیاں پار کر کے اندر داخل ہوئے۔ تو وہاں ایک دوسری ایکسرے مشین نے سب کی تلاشی لی۔ پھر جانے دیا، عجائب گھر کی سرخ عمارت تین منزلہ شاندار تھی۔ پہلی منزل پر بہت بڑا ہال ہے۔ قدآدم فرعونوں کے مجسمے

کھڑے تھے۔ ہال کے ساتھ کمرے تھے جن میں شوکیس رکھے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی مورتیاں ، جانوروں کے مجسمے ، نقش ونگار کے فرنیچر ، قدیم زمانے کے پلنگ ، پتھر کے آلات اور دھات کے زیورات جیسی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ مرد گائیڈ کھڑے تھے۔ صرف عربی جانتے تھے اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی سے کام چلاتے تھے۔ اگر ان سے کوئی سوال کرو یا کوئی بات پوچھو تو کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ ایک لطیفہ یہاں یاد آیا! مصر کی آثار قدیمہ کی کسی دوکان پر شوکیس میں انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔ دیکھنے والے نے دوکان دار سے پوچھا؟ کہ یہ کھوپڑی کس زمانے کی ہے اور کیا قیمت ہے۔ دوکان دار نے جواب دیا کہ یہ قدیم زمانے کی بہت بڑی قیمت والی ہے اور یہ قلوپطرہ کی کھوپڑی ہے۔ دیکھنے والا گزر گیا اور کسی دوسرے شوکیس میں دیکھنے لگا۔ تو وہاں بھی ایک کھوپڑی ملی۔ اس نے وہاں موجود آدمی سے پوچھا؟ کہ یہ کھوپڑی کس کی ہے اور کیا قیمت ہے۔ دوکان والے نے کہا یہ بہت قیمتی ہے یہ قلوپطرہ کی کھوپڑی ہے۔ دیکھنے والے نے کہا ایسی ہی ایک کھوپڑی میں پیچھے شوکیس میں دیکھ کر آیا ہوں۔ اور وہ پہلے شخص نے مجھے یہی جواب دیا میری سمجھ میں یہ نہیں آیا۔ کہ قلوپطرہ کی کھوپڑی دو جگہ الگ الگ کس طرح ہو سکتی ہے۔ دوکان دار ہوشیار تھا۔ چونک پڑا اور کہا کہ جناب پہلی کھوپڑی جو آپ نے وہاں دیکھی تھی۔ وہ قلوپطرہ کے بچپن کی تھی اور یہ جوانی کی۔ جولیس سیزر سے شادی کے بعد کی ہے۔

عجائب گھر میں ہماری طرح بہت سے سیاح آئے ہوئے تھے۔ جو صرف انگریزی جانتے تھے وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے چیزوں کو دیکھ رہے تھے۔ ہم نے قریب ہی ایک گائیڈ کو اپنے ساتھ مدد کے لئے لے لیا۔ اور وہ ہم کو بڑی تفصیل سے انگریزی اور عربی میں چیزوں کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس کی بتائی ہوئی باتیں تاریخ سے اور قدیم مصری تمدن سے مطابقت نہیں

کرتی تھیں۔ وہ ہم کو اوپر کی منزل میں لایا جہاں فرعون مصر کی لاش رکھی ہوئی تھی۔ وہاں گائیڈ کا داخلہ ممنوع ہے۔ وہاں پہرے دار اور نگران کار الگ بیٹھے تھے۔ جو ٹکٹ لے کر اندر جانے دیتے تھے۔ فی کس ۱۰ مصری پاؤنڈ دے کر اندر داخل ہوئے۔ اندر ایک ہال میں دو پہرے دار کھڑے تھے۔ وہاں ایک بہت بڑا تابوت لکڑی کا تھا۔ جس کے اوپر فرعون رعمیس اول کا گلے تک مجسمہ بنا ہوا تھا۔ اور تابوت بند رکھا ہوا تھا۔ وہاں کسی تابوت پر کسی زبان میں کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ اس کے قریب ہی ایک چھوٹا سا تابوت بائیں طرف شیشے کے شوکیس میں تین طرف سے کھلا ہوا رکھا تھا۔ پہلے تابوت سے یہ بہت چھوٹا تھا۔ اس میں ایک مردہ لاش رکھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ کھلا تھا۔ آنکھ ناک سر کے بال نظر آتے تھے۔ اور اس کے پیر کی انگلیاں و ناخن بھی نظر آتے تھے۔ سیدھا ہاتھ جسم سے لگا ہوا تھا۔ اور الٹا ہاتھ اٹھا ہوا سینے پر اس طرح رکھا ہوا ہے کہ اس کی کلائی نظر آتی ہے۔ جس پر سفید دھبے ہیں اور وہاں کچھ لکھا ہوا نہیں تھا۔ اس کے آگے پانچ چھ شوکیس اور رکھے ہوئے تھے۔ جن کے اندر موجود لاش کے بال اور چہرے بھی نظر آرہے تھے۔ کچھ ممیاں بھی تھیں اور وہاں کوئی گائیڈ نہیں تھا۔ جب ہم اس ہال سے باہر آئے تو ہمارا اجرتی گائیڈ جو باہر کھڑا تھا اس نے ہمیں بتایا کہ پہلا بند تابوت رعمیس فرعون اول کا ہے۔ اور الٹی طرف جو مردہ لاش شوکیس میں نظر آرہی ہے وہ رعمیس اول کا پوتا ہے اور یہی وہ فرعون ہے جو تاریخ میں مشہور ہے۔ اس سے زیادہ گائیڈ کو کچھ نہیں معلوم تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کہا خدمت!۔ ہم نے اس کے ہاتھ پر ۱۰ پاؤنڈ رکھے وہ نہ مانا اور ۱۰ بڑھائے۔ پھر نہ مانا اور ۱۰ بڑھائے اس نے کہا ۴۰ دو۔ اس کو ہم نے ۴۰ دیئے اور وہ خوش ہو کر چلا گیا۔ گائیڈ اگر مسلمان ہوتا اور قرآن پڑھا ہوتا تو وہ ہم کو فرعون اور حضرت موسیٰ کا سارا واقعہ تفصیل سے سناتا۔ اور ہم اس کو اسکی معلومات سے خوش ہو کر اور زیادہ اجرت دیتے۔

فرعون سے متعلق قرآن مجید میں بہت تفصیل سے بتایا گیا ہے۔ اور اس قدر تفصیلی حالات اور معلومات کسی تاریخ میں کہیں نہیں ملتے۔ سورۃ نمبر ۷ اعراف میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کا واقعہ پہلی بار قرآن نے سنایا ہے۔ سورۃ نمبر ۲۸ القصص میں حضرت موسیٰ کی مصر میں پیدائش اور فرعون مصر کا یہ سرکاری اعلان کہ کوئی مرد بچہ کسی کے گھر پیدا نہ ہونے پائے۔ اور اگر پایا جائے۔ تو اس کو مار ڈالو جو فرعون کے ملک کے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ یہ پیشین گوئی مصر کے کاہنوں کی طرف سے تھی۔ اس اعلان کے بعد جب موسیٰ اپنے گھر پیدا ہوئے۔ تو ان کی ماں نے کوشش کی کہ ان جان بچائیں۔ اور فرعون کے آدمی حضرت موسیٰ کو نہ مار ڈالیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو ظالموں کے ظلم سے کس طرح بچایا۔ اور اپنے دشمن کے گھر میں کس طرح حضرت موسیٰ کی پرورش کرائی۔ اور کس طرح حضرت موسیٰ جوانی میں فرعون کے محل سے نکل کر دوسرے ملک پہنچے۔ اور وہاں سے دوبارہ مصر میں واپسی۔ اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا کام اسی فرعون مصر کے دربار میں پہنچ کر اللہ کے حکم کی تکمیل کی۔ یہ ساری تفصیل سورۃ نمبر ۲۸۔ القصص، ۲۷۔ النمل ۲۶ الشعراء، طٰسٓ، طٰسٓمٓ والی سورتوں میں موجود ہے۔

ہم یہاں مختصر اتنا بتادیں! کہ یہی وہ فرعون مصر ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو ماننے سے انکار کیا تھا۔ اور کہا تھا! کہ تمہارا خدا کون ہے۔ میں اس کو نہیں مانتا۔ اس دنیا میں سب سے بڑا خدا میں خود ہوں۔ میرے پاس اتنی طاقت ہے۔ کہ جس کی چاہے جان لے لوں۔ اور جس کی چاہے جان بخشوں۔ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ میرے پاس خدا کی نشانیاں ہیں۔ تمہارے پاس کیا ہے؟ جس پر اس نے مصر کے جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ کے عصائے موسیٰ سے مقابلہ کرایا تھا۔ اور شکست کھائی تھی۔ حضرت موسیٰ بنی اسرائیلوں کو اپنے ساتھ لے کر

نکلے تھے۔ اور فرعون کو جب اس کی خبر ملی۔ تو صبح وہ اپنی فوج کو لے کر ان کو پکڑنے خود نکلا اور پیچھا کیا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اپنے لوگوں کے ساتھ دریائے نیل پر پہنچ چکے تھے۔ اور اللہ کے حکم پر اپنا عصا دریا پر دے مارا تھا۔ دریا دو حصوں میں بٹ گیا۔ اور ان کو نکلنے کا راستہ دے دیا تھا فرعون اور ان کی فوج جو ان کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی اور اسی دریا کے بیچ میں سے گزر رہی تھی۔ تو اللہ کے حکم سے دریا کے دونوں حصے آپس میں مل گئے۔ فرعون اور اس کی فوج دریائے نیل میں غرق ہو گئیں۔

فرعون جب ڈوب رہا تھا تو موت سے ڈر کر اس نے کہا کہ۔ اے۔ موسیٰ اور ہارونؑ کے خدا! میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ تو مجھے ڈوبنے سے بچا لے۔ غیب سے اس کو آواز آئی۔ کہ مجبوری کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں۔ تیری سزا نافرمانی اور ہٹ دھرمی کی صرف موت ہے۔ ہم تیری مردہ لاش کو تیری خواہش پر غرق ہونے سے بچا لینگے۔ اور دنیا والوں کے لئے عبرت کے سبق کے طور پر تیری مردہ لاش کو محفوظ کر دینگے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم قائم ہے اور رہے گا آنے والی نسلیں قیامت تک فرعون کی لاش کا تماشہ دیکھیں گیں۔

اٹلی اور فرانس کے محققین آثارِ قدیمہ نے اپنی تلاش اور جستجو میں ۱۹۰۴ء میں دریائے نیل سے فرعون کی مردہ لاش کو بلکل صحیح سلامت نکالا۔ اور تحقیق کی کہ یہ کون سا فرعون ہے؟ اور فرعونوں کے کس خاندان سے تعلق رکھتا ہے؟ اس کا عہد کون سا ہے؟ اور یہ دریافت شدہ لاش کتنی پرانی ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس مردہ لاش کو عجائب گھر میں رکھنے کی اہمیت کا پتہ دنیا کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس پر تحقیق اور جو بھی اس کا حاصل غیر زبانوں میں ہے اردو میں ہمارے پاس دائرۃ المعارف کے ذخیرہ اور قرآن مجید کی مستند معلومات سے جو کچھ ہمیں ملا۔ اس کو ہم اگلے سفر نامہ

میں لکھیں گے۔ شام کے پانچ بج رہے تھے اور عجائب گھر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ ہم باہر آئے اسلامی ملک کا ایک بڑا عجائب گھر اور اس میں نماز کی کوئی مخصوص جگہ نہیں۔ اور نماز کی وقت پر ادائیگی کے لیئے کافی دور جانا پڑتا ہے۔

ہم نے عجائب خانہ کے گراؤنڈ میں عصر کی نماز ادا کی۔ اور سامنے ایک کیفے میں جا گھسے کیفے خالی تھا۔ کیفے کا مالک اپنی کرسیاں سمیٹ رہا تھا۔ ہم نے اس سے چائے کی فرمائش کی وہ جانتا تھا کہ ہم سیاح ہیں اور پہچان بھی لیا تھا کہ پاکستانی ہیں۔ اس نے ہمارے لیئے چائے تیار کی۔ ہمارے ساتھ بچے بھی تھے۔ انھوں نے کھانے اور پینے کی چیزیں بھی خریدلیں۔ چونکہ دوپہر کا لنچ نہیں ملا تھا۔ اس لئے اس کی کسر پوری کی۔ اور ٹہلتے ٹہلتے ہلٹن کی طرف آئے، کیفے سے ہمارے ہوٹل کا راستہ زیادہ سے زیادہ چالیس قدم ہوگا۔ سڑکوں پر سواریوں کی آمدورفت اُسی طرح تھی۔ جس طرح ہمارے شہروں میں رہتی ہے۔ مغرب کی نماز ہوٹل میں آکر پڑھی اور آرام کیا۔

۱۶دسمبر۲۰۰۲ء ہمارے سفر کا تیسرا دن تھا۔ ہمارا ڈرائیور فواد صدقی صبح آٹھ بجے کا آیا ہوا رمسیس ہلٹن کے استقبالیئے میں بیٹھا ہوا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ ہم صبح نو بجے جب نیچے آئے۔ تو وہ تیار تھا۔ آج کا دن ہمیں اہرام مصر اور جامعہ ازہر دیکھنے کا پروگرام تھا۔ ہمارا پہلا پڑاؤ۔ پیپرس ریسرچ انسٹیٹیوٹ تھا۔ جہاں ہماری گاڑی جا کر رکی۔ چھوٹی سی خوبصورت عمارت ہے۔ گنتی کے چار آدمی بیٹھے تھے۔ چاروں طرف شیشے کی بڑی بڑی الماریاں ان میں رکھے۔ عربی اور کوفی خط میں لکھے ہوئے قرآنی آیات کے تغرے رکھے ہوئے تھے۔ اس کے لئے جو کاغذ استعمال ہوا وہ قدیم فن کاغذ پر بنائے گئے تھے۔ یہ چھوٹے چھوٹے پودوں کے نوخیز کونپلوں سے عمودی تراش کر پانی میں ڈبو کر اور پھر انھیں لکڑی کے ڈنڈوں سے کوٹ کر دو چار دن چھوڑ دیا جاتا ہے۔ پھر ان کو کسی

سخت بیلن سے دبا کر لمبا اور چوڑا کیا جاتا ہے۔ پھر ان کو خشک کرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی کاغذ پر قرآنی آیات کے تغرے لکھے ہوئے تھے۔ نمائش اور فروخت کے لئے رکھے گئے ہیں۔ ایک گھنٹے بعد ہم وہاں سے فارغ ہوئے۔ اور سیدھے اونچے اونچے ریت کے ٹیلوں کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں سے تین بڑے اہرام مصر سیاحوں کی دلچسپی اور وہاں آمد کے منتظر تھے۔ کافی فاصلہ طے کرنے بعد ہم قدیم مصر کے ان یادگاری اہراموں کی طرف جا رہے تھے۔

ہرم عربی لغت میں مثلث نما مخروطی عمارت کو کہتے ہیں جو ایک بڑے قاعدہ پر مساوی الاضلاع ایک کنارے پر آ کر ملتے ہیں۔ علم ہندسہ اور علم مساحت میں جو ایک فن ہے ایسی عمارتیں اس زمانے کے موسمی اثرات اور آب وہوا کی تبدیلی کا کوئی اثر ان چیزوں پر نہیں ہوتا ہے جو ان مثلث میں رکھی ہوتی ہیں۔ دوسرے معنوں میں یہ مثلث نما عمارتیں آج کے زمانے کے ریفریجیریٹر کا کام کرتی ہیں۔ مردہ لاشیں جو اس اہرام میں رکھی جاتی تھیں۔ وہ سیکڑوں سال گزرنے کے بعد بھی اسی حالت میں محفوظ رہتی تھیں۔ ہرم کی جمع اہرام ہے۔ جو قدیم مصری بادشاہوں کا شاہی قبرستان ہوتا تھا۔ آج یہ عجوبہ آثار قدیمہ ہے۔

مذہب انسان کے لئے ضروری ہے۔ ابتدائی انسان اپنے عقیدے بدلتا رہا اور بلا آخر سب بت پرستی پر متفق ہو گئے تھے۔ بت پرستی کی ابتداء حضرت نوحؑ کے زمانے سے شروع ہوئی اور زمانے کے ساتھ ساتھ مصر میں یہ طریقہ انسانوں کی پرستش اور پوجا کا شروع ہوا۔ جو سب میں بڑا اور طاقت والا ہوتا تھا۔ وہ بادشاہ بھی کہلاتا۔ اور بتوں کا نمائندہ بھی سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اس کی تعظیم کرتے اور اس کے آگے جھک جاتے تھے۔ مصر کا قدیم مذہب دیوی دیوتاؤں کا تھا۔ بادشاہ اسے۔ پی۔ ایس دیوتا تھا اس نے اپنی سگی بہن سے شادی کی تھی۔ جو دیوی کہلاتی تھی۔ اور ان سے

جو بیٹی پیدا ہوئی وہ آئیسس کہلاتی تھی۔ اس طرح مصر میں تثلیث کا عقیدہ شروع ہوا۔ جو بعد کے زمانے میں بدلتا ہوا ایک خدا کا تصور بن گیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں جس فرعون سے ان کا مقابلہ ہوا وہ خود کو خدا کہتا تھا۔ ان کا مذہبی عقیدہ یہ تھا۔ کہ انسان کے لئے موت لازمی ہے اور مرنے کے بعد آخرت کی دوسری زندگی ہوگی۔ اور اس کے اعمال کا محاسبہ ہوگا اور اس کے مطابق اس کو نئی زندگی ملے گی۔ یہ عقیدہ حیات بعد موت کا سارے مذاہب میں عام تھا۔

مصریوں کے اپنے عقیدہ کے مطابق نیک اور اچھے آدمی۔ اور اپنے بادشاہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ کہ آخرت کے وقت کی زندگی کے لئے زندگی کی ساری ضروریات کی چیزیں ان کی مردہ لاش کے ساتھ دفن کر دیتے تھے۔ اس لئے ان کے تابوت ایک مستطیل حجرہ میں رکھ دیتے تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ ایک اہرام کے اندر کئے گئے مستطیل حجرے۔ اور ان کے الگ الگ دروازے بنائے گئے ہیں۔ شاہی مقبرے بادشاہ اور ملکہ کے بڑے بڑے مستطیل حجرے ہیں اور دوسرے امیر اور وزیروں کے حجرے الگ الگ ہیں۔

سب سے بڑا اہرام اور چی آپس کہلاتا ہے۔ اس کی بلندی زمین سے چار سو اسی فٹ ہے۔ اس کے سیدھے طرف کا اہرام خیفو کہلاتا ہے۔ جو زمین سے چار سو چھپن فٹ اونچا ہے۔ تیسرا خیفری ہے یہ زمین سے چار سو پچاس فٹ اونچا ہے۔ اور ان سب سے کچھ دور فاصلہ پر ان کا نگران کار بیٹھا ہے۔ جو ایک اونچے چبوترے پر انسانی شکل کا مجسمہ ہے۔ جو ابوالہول کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ اور اگر کچھ نظر آتا ہے۔ تو وہ ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات ہیں۔ جن سے پتہ لگتا ہے۔ کہ یہاں پہلے کچھ تھا۔ کہتے ہیں کہ یہاں چھتیس اہرام اور بھی تھے۔ جو دوسرے خاندانوں نے بنوائے تھے۔

قدیم مصری تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہاں میں فرعونوں نے حکومت کی تھی۔
چوتھے خاندان کے فرعون نے جس کا نام توتح عمون تھا۔ وہ علم ہندسہ اور علم مساحت کا شوقین اور ماہر تھا۔ یہ اہرام اس کی ایجاد ہے۔ دو ہزار تین سو باون قبل مسیح میں یہ بنایا گیا تھا۔ سب سے بڑا اہرام ایک بہت بڑے قاعدہ پر چوکور تراشے ہوئے پتھر سے جس کا وزن ستر من ہے۔ ایسے تیئس لاکھ پتھر جوڑ کر یہ مثلث نما اہرام بنایا گیا تھا۔ اس کام کے لئے تین لاکھ مزدوروں نے کام کیا تھا۔ ایک دن کی مزدوری کا خرچ ڈھائی لاکھ تھا۔ اور مزدوروں کو روز کی اجرت میں پیاز، لہسن، گاجر، اور نمک دیا جاتا تھا۔

سن ۱۹۲۲ء میں انگریز آثارِ قدیمہ کے ماہر لارڈ کارنیوال نے مصر میں فرعونوں کے مقبروں کی کھدائی کا کام شروع کیا۔ تو ایک مقبرے کے اندر اس کو ایک مچھر نے کاٹ لیا۔ اور اس کو اس کی خلش رہی۔ اس کے زہر سے پانچ ماہ بعد وہ مر گیا تھا۔ مصر کی قدیم تہذیب اور تمدن کے بارے میں تاریخی معلومات بہت کم ہیں۔ اور بہت سی سنی سنائی باتیں اور روایات ملتی ہیں۔ جن پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے پاس قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب تمام پچھلی قوموں کے تاریخی قصے عروج وزوال کے مستند معلومات کا واحد ذریعہ ہے۔ ہم اس کی مدد سے مصر کی تاریخ اور فرعونوں کے حالات پر اظہارِ خیال کر رہے ہیں۔

حضرت نوحؑ کی پانچویں پشت میں حضرت ابراھیمؑ بابل ونینوا (عراق) میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر کے اپنی بیوی بی بی سارہ کے ساتھ ملک شام آئے تھے۔ انھوں نے فرعونِ مصر کے ساتویں خاندان کے بادشاہ ملک افتون سے ملاقات کی تھی۔ اور ان سے اللہ کے توحیدی عقیدہ پر بات کی۔ بادشاہ ان کے خیالات سے بہت خوش ہوا اور ان کو اپنا

مہمان بنایا اور جاتے ہوئے اپنے قبیلے کی قبطی نژاد لڑکی بی بی حاجرہ کو ان کے نکاح میں دے دیا تھا۔

یہ وہی بی بی حاجرہ ہیں۔ جن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تھے۔ اور ان سے عربستان میں مکہ کی اسلامی تاریخ اور خاندان بنو ہاشم اور ابوالمطلب اور خاندان نبوت کی تاریخ ملتی ہے۔

مصر کے قدیم علوم میں جادو سحر طلسم اور خواب کی تعبیر۔ اور سیاروں، ستاروں کا علم نجوم اور علم رمل کا بڑا چرچا تھا۔ اور یہ خاندانی علوم میں ماہر لوگوں کی بڑی عزت اور قدر ہوتی تھی۔ اور انہی میں سے بت خانوں کے مذہبی پیشوا، علماء، پروہت، کاہن لئے جاتے تھے۔ اور یہ لوگ بادشاہوں کے مشیر اور بت خانوں کے محافظ اور نذر و نیاز چڑھاوے کی رسومات ادا کرتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے ساتھی اور بھائی ہارونؑ اسی خاندان کے سلسلے میں سے ہیں۔ قرآنِ کریم کی سورۃ نمبر ۱۲ میں حضرت یعقوبؑ کے بیٹے حضرت یوسفؑ کی پوری زندگی کے حالات بیان کئے گئے ہیں کہ کس طرح بردہ فروشوں نے انھیں اپنے ملک کنعان (فلسطین) سے اٹھا کر مصر کے غلاموں کے بازار میں فروخت کر دیا تھا۔ جس وقت حضرت یوسفؑ مصر کی جیل میں قید تھے۔ اس وقت کا فرعون مصر ستر ہویں خاندان کا ولید بن ریان تھا۔ اس بادشاہ نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کے لئے حضرت یوسفؑ کو جیل سے بلوایا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو خاندان فرعون سے اتنا قریب کر دیا۔ کہ وہ ولید بن ریان کے جانشین ہو گئے۔ اور مصر کے بادشاہ بن گئے۔ اور انھوں نے اپنے پورے خاندان کو کنعان سے بلوا کر مصر میں آباد کر دیا۔ اس طرح یعقوبؑ اپنے بارہ بیٹوں کے ساتھ مصر آ گئے۔ مصر میں تینتالیس برس آباد رہے۔

حضرت یعقوبؑ کی آمد مصر میں اور ان سے پہلے ان کے دادا حضرت ابراہیمؑ کی مصر میں آمد ان دونوں کے درمیان ایک ہزار سال کی تاریخ کا فرق ہے۔ اور یہ زمانہ مصر کا 2250 سے 1635

قبل مسیح کا بتایا جاتا ہے۔ اور یہاں سے تاریخ بنی اسرائیل شروع ہوتی ہے۔ اور حضرت موسیٰ مصر میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان کی ماں نومولود کو ایک ٹوکرے میں دریائے نیل میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتی ہیں۔ تاکہ اس وقت کے فرعون کے ظلم سے اپنے نومولود کی جان بچائیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بلغیب رکھتے ہیں۔ اور صبر کرتے ہیں اللہ ان کا مولا اور مددگار بن جاتا ہے۔ اور قدرت نے اس نومولود کو دریائے نیل سے بہا کر فرعونِ مصر رعمیس دوم جو انیسویں خاندان کا فرعون تھا۔ اس کے محل میں اس کی بیوی حضرت بی بی آسیہؓ جو بانجھ تھیں اولاد کو ترستی تھیں۔ ان کے حوالہ کر دیا۔

حضرت موسیٰ کی زندگی کا پورا واقعہ ان کا بچپن، جوانی اور جلاوطنی اور حضرت شعیبؑ کی لڑکی سے ان کی شادی۔ اور شہر مدین سے مصر کی طرف واپسی پر رات کے وقت کوہ طور سے روشنی دکھا کر ان کو وہاں بلانا۔ اور دو معجزے عطا کر کے فرعونِ مصر رعمیس سوم کے دربار میں بھیجنا۔ اور فرعون سے مکالمہ۔ اور جادوگروں سے مقابلہ ساری تفصیل قرآن کریم میں سورۃ نمبر ۷ اعراف، سورۃ نمبر ۲۶ الشعراء، سورۃ نمبر ۲۷ النمل، سورۃ نمبر ۲۸ القصص ...... میں دیکھیں۔

فرعون رعمیس سوم فراعنہ کا انیسواں بادشاہ تھا۔ جو دریائے نیل میں غرق ہوا۔ جس کی لاش عجائب گھر میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس خاندان کا زوال شروع ہوا۔ اس کے بعد اکتیسواں خاندان جب حکومت کر رہا تھا۔ تو سکندر اعظم نے یونان سے آ کر مصر پر قبضہ کر لیا۔

یہ عہد ۳۳۲ سے ۳۲۵ قبل مسیح کا ہے فراعنہ کا خاتمہ ہو گیا۔ سکندر کا کوئی جانشین نہیں تھا اس کی موت کے بعد اس کے جرنلوں نے مصر کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ مصر کا شمالی علاقہ ترکی۔ ازمیر قونیہ (حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ)۔ شام۔ فلسطین۔ اردن یہ سب ارض القرآن کا علاقہ

ہے۔ اور مغربی مصر میں قاہرہ، یونان، روم آتے ہیں۔ روم میں جولیس سیزر بڑا طاقت ور جنرل مشہور ہوا۔ اس کی رومانی داستان مصر کی شہزادی قلوپطرہ سے بہت مشہور ہوئی۔ اور پھر اس کا ایک رقیب ساتھی جنرل انطونی سے قلوپطرہ کی محبت کو شیکسپیر نے انگریزی ڈراموں میں بڑے دلچسپ انداز میں سنایا ہے۔ قبل مسیح کی تاریخ کا ایسا عجیب وغریب واقعہ جس کو اسلامی تاریخ دوہراتی ہے اس کو غور سے دیکھو۔ حضرت ابراھیمؑ کی دوسری بیوی بی بی حاجرہؓ مصر کی قبطی نژاد تھی۔ اور مدینہ میں حضورﷺ کا دور ۶۲۹ عیسوی میں مقوقس گورنرِ مصر نے دوخوب صورت قبطی نژاد بہنوں کو بطورِ کنیز آپﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضرت ماریا قبطیہؓ آپ حضورﷺ کے بیٹے ابراھیمؑ کی ماں بنیں جو انتقال کر گئے۔ اور ان کی دوسری بہن سیریا کو حضرت زیدؓ کے نکاح میں دے دیا۔ اور حضرت زیدؓ بغیر بیوی کے تھے۔ حضرت زینب بنتِ الجحش کو طلاق دے چکے تھے۔ یوں بھی حضورﷺ دوسگی بہنوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ اور قرآن کا حکم آیات نمبر ۲۳ سورۃ نمبر ۴ النساء میں آچکا تھا۔

حضرت ابراھیمؑ امام الانبیاء سرچشمہ روحانی مرکز تھے۔ ان سے دودھارے نبوت کے نکلتے ہیں۔ ایک خاندان بنی اسرائیل فلسطین سے اور دوسرا دھارا کوہِ صفا اور مروہ کی وادی زم زم سے الگ الگ نکلتے ہیں۔ اور آخر میں حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں حضور اکرمؐ میں ضم ہوجاتے ہیں۔ ساری دنیا کی انسانیت کے لئے ایک ہی پیغام اسلام کا امن دوستی کا بن جاتے ہیں۔

۷ ادسمبر ۲۰۰۲ء ہمارے سفر کا آخری دن تھا۔ حسب پروگرام ڈرائیور صدقی ہمارا انتظار کررہا تھا۔ ہم صبح ۹ بجے باہر آئے اور جامعہ ازہر کی طرف نکلے۔ آج ہمارا پس منظر مصر کی جدید دور میں بدل گیا تھا۔ آج کا مصر اسلامی دور کا بڑا ملک ہے۔ یہاں قدیم سے جو آبادیاں مختلف مذاہب

کی الگ الگ رہتی تھیں۔ وہ آج سب مسلمان ہوکر دو مساوی حصوں میں بٹ گئی ہیں۔ مسلمان اور عیسائی ہر شعبہ حیات میں برابر کے شریک ہیں۔ مصر کا وزیر خارجہ بطرس غالی اقوام متحدہ (یو این او) کا سیکریٹری جنرل رہ چکا ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں فلسطین اور مصر فتح ہوئے تھے۔ حضرت عمر بن وقاصؓ فاتح مصر کہلاتے ہیں۔ ان کے دور میں مسلمانوں کی رواداری، شرافت، محبت سے متاثر ہوکر بہت بڑی آبادی مسلمان ہوگئی تھی۔ اور مسلم حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا۔ حضرت عمر بن وقاصؓ جو پہلے شہر بابلون کو فتح کیا تھا ان کی عمل داری بہت جلد اسکندریہ کی فتح ثابت ہوئی۔ اور رومیوں نے اس کو خالی کردیا تھا۔ حضرت عمر بن وقاصؓ نے وہاں ایک جامعہ مسجد بنائی جو مسجد عمر کہلاتی ہے۔

۲۱ ہجری میں شہر فسطاس قائم کیا۔ اور بحر قلزم سے ایک نہر نکالی گئی تھی۔ جو ۸۰ میل لمبی ہے اسی نہر کے کنارے ایک گاؤں حفن نام کا ہے۔ جہاں کی رہنے والی حضرت بی بی ماریہ قبطیہ اور بی بی سیریا تھیں۔ خلافت راشدہ کے بعد جب اسلامی تاریخ میں ملوکیت کا سفر شروع ہوا۔ تو مصر پر بنو امیہ قابض ہوئے۔ اور ان کے دور میں شمالی افریقہ فتح ہوا۔ اور تاجیریا کے بربر قبائل مسلمان ہوئے۔ اور تیونس، مراکش، اور مغربی علاقے فتح ہوئے۔ اور اندلس میں بنو امیہ کی حکومت قائم رہی۔ بنو امیہ کے بعد بنو عباس آئے۔ ان کا دور کچھ اچھا نہیں رہا۔ بنو عباس کے بعد بنو فاطمید آئے۔

بنو فاطمید نے مصر پر اپنی حکومت قائم کرلی اور ۳۹۹ سے ۵۶۷ تک حکومت کی۔ فاطمید کا سلسلہ حضرت بی بی فاطمہؓ کی اولاد سے چلتا ہے۔ چھٹے امام کی اولاد سے ۱۴۳ ہجری میں بٹ کر اسماعیلی فرقہ علیحدہ ہوگیا۔ ان کے دور میں یہودی اور عیسائی دونوں کو فائدہ ہوا۔ انہی

کے دورِ حکومت میں عیسائی راہب پطرس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو لڑایا اور بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ فاطمید دور میں دولت کی ریل پیل بہت تھی۔ مگر انھوں نے کوئی کام نہیں کیا۔ تہذیب اور تمدن میں بڑی ترقی ہوئی۔ مسلمانوں نے یہودی اور عیسائی عورتوں سے دوسری و تیسری شادی کرنی شروع کردی۔ عیسائی اور یہودی عورتیں مسلمانوں کے گھروں کے اندر داخل ہوئیں اور متاع کی اجازت عام ہوئی۔ تو مسلمانوں کے خلاف سازشیں بڑھنے لگیں۔ اور انھوں نے مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگایا۔ فرنگی اور عیسائی بحری بیڑے بحرِ روم کے ساحلوں پر منڈلانے لگے۔ سلجوق جو دور بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کے مملوکوں نے مصر پر حملہ کردیا۔ اور فاطمید کو وہاں سے بھگادیا۔ فاطمید جب مصر سے نکلے۔ تو تیونس میں اپنی جلاوطن حکومت قائم کرلی۔

۱۱۸۷ء میں مملوک سلطان نورالدین زنگی مصر کا گورنر ہوا۔ اس نے اپنے خاندان کے نوجوان صلاح الدین کو اپنی تربیت میں رکھ کر فوج کا سپہ سالار بنادیا۔ صلاح الدین بہت بہادر، ذہین اور نڈر تھا اس کی جنگی صلاحیتوں کے علاوہ بہت نیک سادہ مروت والا مردِ مومن تھا۔ حافظ قرآن تھا۔ اس نے عیسائیوں اور یہودیوں کی خانہ ساز سازشوں کا پتا لگایا۔ اور ان کو مٹانے کے لئے ۱۴ سال گھوڑے کی پیٹ پر بیٹھ کر جہاد کرتا رہا۔ اس نے تین بڑی صلیبی جنگیں لڑیں۔ اور بیت المقدس کو عیسائیوں سے واپس لے لیا۔ اور یروشلم پر اپنی حکومت قائم کی۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا سکہ جمایا۔ مصر کے لئے صلاح الدین کی بڑی خدمات ہیں۔ جامعہ ازہر جس کو ہم یہاں دیکھنے آئے ہیں۔ یہ صلاح الدین کا کارنامہ ہے۔ صلاح الدین نے اپنی پہلی فرصت میں مصر میں جگہ جگہ مدرسے اور مساجد قائم کیے۔ جہاں قرآن، تفسیر، حدیث، اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور تعلیمی وظائف دیئے جاتے تھے۔ جگہ جگہ سے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی علماء کو بغداد سے بلا کر بڑی بڑی

تنخواہیں دیں لائق اساتذہ وعلماء اور قاضی باہر سے بلائے۔ اس دور کے مسجد مدرسے آج بھی مشہور ہیں۔ مثلاً مدرسہ عالیہ۔ فاضلیہ۔ فائیزہ۔ سرضیہ۔ ارشکیہ معزیہ۔ سیوفیہ وغیرہ۔ ان سب کے اخراجات کے لیے بڑے بڑے وقف (ٹرسٹ) قائم کیے۔ لوگوں کی فلاح کے لئے کتب خانے، شفاخانے سرکاری خرچ پر بنوائے۔ صلاح الدین کے ساتھ دربار کے امیر کبیر امراء نے اپنے جائیدادیں سب مسجد ٹرسٹ میں دے دیا تھا۔ اور آج کا جامعہ ازہر صلاح الدین کا کارنامہ اور مسلمانوں کے لئے دینی تعلیم اور تربیت اور رہنمائی کا بہت بڑا علمی مرکز ہے۔

جامعہ ازہر مسجدوں میں بٹا ہوا ہے اور ہر مسجد طلباء کی درس گاہ، ہاسٹل، تربیت گاہ ہے۔ ان سب کا انتظام جامعہ ازہر کرتا ہے۔ دینی اور دنیاوی جدید علوم یہاں سیکھائے جاتے ہیں۔ علم طب، سیاست، بین القومی قوانین جیسے علوم سیکھائے جاتے ہیں۔ حفظ قرآن پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ داخلہ کی شرط حافظ قرآن ہونا ضروری ہے۔ یا کم سے کم دس پارے قرآن کے حفظ کرنا لازمی ہے۔ سبعہ قرآت سکھایا جاتا ہے۔ طریقہ تعلیم سعودیہ عرب میں مختلف ہے اور مصر کا مختلف ہے۔ معیار وزبان عربی ادب کی سعودی عرب سے بہت بلند ہے۔

جامعہ ازہر کا سارا علاقہ مسجدوں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ بازار پھیلے ہوئے ہیں ہمارے سامنے ایک بہت شاندار مسجد سیدنا حسینؓ کی تھی۔ جہاں لاؤڈ اسپیکر پر عربی تقریر کی آواز آرہی تھی۔ جب ہم مسجد میں داخل ہوئے۔ تو استاد جامعہ الازہر عربی میں تقریر کر رہے تھے۔ اور لوگ بیٹھے سن رہے تھے۔ مسجد کے اندر محراب و ممبر کے بلکل پیچھے ایک حجرہ ہے۔ جس میں کافی لوگ جمع تھے۔ اور اس میں عود و لوبان کی خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ عورتیں زنانی راستے سے اور ہم مردانے راستے سے اندر داخل ہوئے۔ لوہے کی جالی کے چوکھٹے میں ایک قبہ سا بنا ہوا تھا۔

جس پر سبز رنگ کی چادر بچھی تھی۔ اور اندر ٹیوب لائٹ کی روشنی میں ایسا نظر آ رہا تھا۔ کہ وہ کسی کا مزار ہے۔ اس کے اندر ایک مجاور کھڑے ہوئے۔ نیاز و نذر چڑھاوے وصول کر رہے تھے۔ مزار کے قدموں کی طرف ایک صندوق رکھا ہوا تھا۔ لوگ اس میں پیسے ڈال رہے تھے۔ جالی کے اطراف بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ کوئی ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا۔ کوئی آنکھ بند کر کے مراقبہ میں بیٹھا تھا۔ کچھ فقیر ملنگ بھی تھے۔ جنہیں زائرین کچھ دیتے۔ اور وہ فوراً اپنی جیب میں چھپا لیتے تھے۔

عام شہرت یہ ہے کہ یہ سیدنا امام حسینؓ کا مزار ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت سیدنا امام حسینؓ کا مزار مبارک بغداد شریف میں ہے۔ تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں۔ کہ یہاں خرقہ سیدنا امام حسینؓ دفن کیا گیا ہے، شہیدِ کربلا سیدنا امام حسینؓ کے جسم مبارک پر جو خون آلود لباس (خرقہ) کو پہلے دمشق میں دفن کیا گیا تھا۔ پھر وہاں سے ہٹا کر شام میں عسقلان کے مقام پر دفن کیا گیا تھا۔

فاطمید دور میں ۵۴۸ ہجری میں یہ خرقہ مبارک وہاں سے نکال کر مصر لا کر یہاں دفنایا گیا ہے۔ اس مسجد کے باہر دوکانوں کی لمبی قطار ہے عام سا بازار ہے۔ قہوہ کی دوکانیں اور ہوٹلیں ہیں۔ کارندے جو سیاحوں کو گھیر گھیر کر اس میں لے کر جاتے ہیں۔ اور ان سے منہ مانگے دام وصول کرتے ہیں۔ یہ بازار بہت معمولی ہے۔ بازارِ خلیلی جو بہت مشہور بازار ہے۔ اس تک پہونچنے میں بہت ہی تنگ گلیوں سے ہو کر ہمیں گزرنا پڑا۔ یہاں سونے چاندی کا کام کرنے والوں کی دوکانیں زیادہ ہیں۔ اس کے آگے کپڑے والوں کی دوکانیں ہیں۔ ان تنگ گلیوں سے نکل کر ہم ایک بڑے بازار میں پہونچے۔ جہاں ہمیں جانا تھا۔ خیال اور ذہن میں ہمیں مصر کے اس بازار کی تلاش تھی۔ جس کی شہرت ساری دنیا میں مشہور تھی۔ قدیم زمانے میں مصر غلاموں کی تجارت کی منڈی مشہور تھا جگہ جگہ سے لوگ یہاں اپنے حبشی غلام لا کر بیچتے اور خریدتے تھے۔ حضرت یوسفؑ کو بھی اسی

مشہور بازار میں لا کر فروخت کیا گیا تھا۔ بردہ فروشوں نے بڑی بھاری قیمت لگائی۔ کوئی بھی یہ قیمت نہیں دے سکتا تھا۔ فرعونِ مصر کا درباری جو امیر کبیر تھا۔ قرآن کریم میں جس کا نام عزیز مصر آیا ہے۔ اس نے بڑی بھاری رقم دے کر ان کو خرید ا۔ وہ لا اولا د تھا اور چاہتا تھا۔ یہ خوب صورت لڑکا اس کا لے پالک بیٹا بن کر اس کی وراثت سنبھالے۔ کہاں وہ بازار مصر اور کہاں ہم؟ اب تو وہ نشان بھی مٹ گئے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ بازار کہاں تھا۔ ہمیں مصر کے بازار کی تلاش اس لئے بھی تھی۔ کہ ہمارے ساتھ متاعِ یوسفی تھی۔ اور ہم اس کی قیمت لگوانا چاہتے تھے۔ لیکن وہ بازار ہی نہیں ملا۔ خلیلی بازار ایک لمبی سڑک کے کنارے ہے۔ جس کے دونوں طرف بڑی بڑی دکانیں ہیں۔ یہاں درآمد اور برآمد کا مال آتا اور جاتا رہتا ہے۔ کافی بھیڑ بھاڑ تھی۔ ہم بھی ایک دکان میں پہونچے۔ مصر کی کاٹن دنیا میں مشہور ہے۔ اس کے کچھ کپڑے خریدنے کا ارادہ تھا۔ دکان دار نے بتایا۔ کہ زمانے کے ساتھ ساتھ فیشن بھی بدلتا جاتا ہے۔ اصلی کاٹن کہیں نہیں ملے گا۔ ہر چیز میں ملاوٹ ہے۔ کاٹن کے ساتھ ریان ملا کر کاٹن بناتے ہیں۔ جس کی مانگ ہے۔ ہم نے اس دکان سے چھ کاٹن کی عبائیں خریدیں۔ جو مصر کا قومی لباس عبا ہے۔ جس سے سارا جسم سر سے پیر تک ڈھکا رہتا ہے۔ مرد اور عورتوں کی یہ شرعی ضرورت ہے۔ اس سے زیادہ ہمیں کچھ نہیں چاہیئے تھا۔ ہمارے ساتھ جو عورتیں تھیں۔ وہ ملبوسات اور زیورات کی دوکانوں پر منڈلا رہی تھیں۔ دوکاندار صرف عربی جانتا تھا۔ اور خریدار عربی نہیں جانتا تھا۔ اب اگر مول تول ہو تو کیسے؟ عورتوں نے تقریباً سارے ٹھیلے دیکھ ڈالے اور کچھ لباس اور عطریات ضرور خرید لائیں۔ اس بازار خلیلی کی شہرت مملوک سلطان کے ایک درباری امیر کبیر اشرف الخلیلی کے نام سے منسوب ہے۔ انھوں نے یہاں فاطمید کا بڑا قبرستان مسمار کرایا اور اس قبرستان پر یہ بازار تعمیر کرایا۔ اور اس بازار کے کونے پر

امیر کبیر نجم الدین کا مقبرہ ہے۔

شام کے چار بج رہے تھے۔ ڈرائیور صدقی ہمیں ڈھونڈتے آ گیا تھا۔ وہ ہمیں لے کر مصر کے پرانے علاقہ میں لے گیا۔ جہاں ایک بڑی پہاڑی ہے۔ جس کا بلند مینار بہت دور سے نظر آتا ہے یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی بنائی ہوئی مسجد ہے۔ کسی زمانے میں یہ سلطان کا دارالحکومت تھا اور آج بھی لوگ اس کو صلاح الدین سیٹاڈل کے نام سے جانتے ہیں۔

ہم اس اونچی پہاڑی پر پہونچے۔ تو صدر دروازہ پر ٹکٹ گھر لگا ہوا تھا۔ ہمارے ساتھ اور سیاحوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ ٹکٹ لے کر جب اندر پہونچے۔ تو کچھ دور ایک اور ہال تھا۔ جس میں کچھ باوردی حکمران کارکھڑے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلطان صلاح الدین کا قدیم اسلحہ خانہ تھا۔ جو اب میوزیم بنا دیا گیا ہے۔ اس میں اس زمانے کے اوزار، ہتھیار، برچھے، تلواریں، نیزے، لوہے کی ٹوپیاں، زرہ بکتر، گھوڑوں کی جھول اور بہت سارا سامان رکھا ہوا ہے۔ ہم پہاڑی کی طرف چلے۔ ہمیں یہاں یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ صلاح الدین کا صلیبی جنگوں کا سلسلہ کیتھولک چرچ سے دوسال تک جاری رہا۔ اور پانچ صلیبی جنگیں مشہور ہیں۔ تیسری صلیبی جنگ جو ۱۱۸۷ سے ۱۱۹۲ء تک جاری رہیں۔ اس میں یروشلم فتح ہوا۔ صلاح الدین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا۔ کہ اس نے عربوں کو ان کے قومی انتشار سے نکال کر اور ایک دوسرے کی مذہبی منافقت سے ہٹا کر ان میں پھر ایک بار جہاد کا جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ جہاد اسلام کا مدافعتی عمل ہے۔ کفار، یہود و نصاریٰ کے ظلم کے خلاف اپنا دفاع اور سلامتی ضروری ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے۔ جو تم سے لڑے تم ان سے لڑو۔ لیکن زیادتی، ظلم ولوٹ مار مت کرو۔ اللہ تعالیٰ زیادتی، ظلم ولوٹ مار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ البقرہ آیات ۱۹۰ میں مقدس مدافعتی جنگ کے لئے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لیکن

زمانے کی ستم ظریفی یہ ہے۔ کہ جہاد کا نام اسلامی جنون اور دہشت گردی کی علامت بن گیا۔ اور لوگ اس کو دہشت اور خوف کے معنوں میں دیکھتے ہیں۔ صلاح الدین نے ۱۱۶۹ء میں فاطمید حکومت کا تختہ الٹ کر ۲۶ سال کی عمر میں مصر آیا تھا۔ ۳۸ سال کی عمر میں شام اور مصر پر حکمران رہا۔ اور دریائے نیل کے کنارے کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے اس نے فلسطین کی فتح کی دعا کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی۔ اس کی دین داری صبر توکل اور سنتِ رسولؐ پر عمل انکساری اور انسانی ہمدردی اللہ کو بہت پسند آئی۔ اور ۱۱۸۷ء مطابق ۵۸۳ ہجری کو یروشلم فتح ہوا۔ سلطان صلاح الدین نے اس قلعہ کے اوپر ایک مسجد بنائی تھی۔ جس کا نام مسجد سلطان حسن ہے۔ جس کے دو بلند مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ یہ بہت کشادہ اور خوبصورت مسجد ہے۔ اس کے خوبصورت محراب اور ممبر لکڑی کے نقش و نگار کے مختلف ڈیزائن میں ابھی تک رکھے ہوئے ہیں۔ اس کی چھت اور گنبدوں پر نقش و نگار اور خطاطی کے مختلف نمونے سیکڑوں سال سے ابھی تک اپنی چمک دمک قائم رکھے ہوئے ہیں۔ سلطان نے بڑے شوق سے تین سال کے عرصے میں اسے بنایا تھا۔ اس کا مینار زمین سے ۲۸۰ فٹ اونچا ہے۔ جس سے اذان دی جاتی ہے۔ پوری مسجد اونی و نقشی قالین سے بھری پڑی ہے۔ قبلہ کی محراب فرش سے ذرا اونچی ہے۔ جہاں ہم نے عصر کی نماز ادا کی۔ یہ مسجد صرف اذان کے وقت کھولی جاتی ہے۔ اور نماز کے بعد بند کردی جاتی ہے۔ مسجد کے باہر ایک کشادہ صحن ہے۔ جس میں ایک گول دائرہ بنا ہوا ہے۔ اس میں پانی کی ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ جو نظر آتی ہیں۔ اس کے اوپر ایک لوہے کی ٹنکی ہے۔ جس میں پانی باہر سے لاکر بھرا جاتا تھا۔ پانی کی ضرورت کے لئے صحن کے ساتھ ۲۹۰ فٹ گہرا کنواں ہے۔ جسے چاہِ یوسف کا نام دیا گیا ہے۔ اب یہ کنواں خشک ہے۔ پہاڑی سے جب ہم نیچے اُترتے ہیں۔ تو ایک اور مسجد جامعہ شیخون ہے۔ یہ

مصر کے امیر کبیر سیف الدین شیخون نے بنائی تھی۔ جو بند ہے۔ پہاڑی سے ہم نیچے اُتر کر آئے۔ تو آسمان پر گھیرے بادل تھے۔ معلوم ایسا ہوتا تھا۔ کہ بارش آنے والی ہے۔ ہم تیز تیز قدموں سے نیچے اتر آئے۔ جونہی ہم صدر دروازے سے باہر آئے۔ ہم کو تیز بارش نے آلیا۔ بھاگ کر درختوں کے نیچے پناہ پکڑی۔ اتنے میں ہمارا ڈرائیور صدقی اپنی گاڑی دوڑاتا ہوا بارش میں صدر دروازہ پر آگیا۔ اور ہم بھیگے ہوئے اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ چلتے ہوئے صدقی نے بتایا۔ کہ اس پہاڑی سے قریب ایک گاؤں ہے اس کا نام ابوصیرہ ہے۔ یہاں ایک عرب شرف الدین نام کا پیدا ہوا تھا۔ اور عشق رسول میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا۔ کہ وہ ہر وقت نعت رسول مقبولؐ پڑھتا رہتا تھا۔ اس کی شہرت کی وجہ عربی قصیدہ بردہ شریف ہے اور شرف الدین ابوصیری مشہور ہے۔

تھوڑی دیر بعد ہم ایک اور بڑی سڑک پر آگئے۔ جہاں دو بڑی مسجدیں قریب قریب پتھر کی اونچی کرسی پر قائم ہیں۔ اس کے گیٹ پر پہرے دار بیٹھے تھے۔ لیکن کوئی ٹکٹ نہیں لگا تھا۔ ہم پہرے داروں سے باتیں کرنے لگے۔ اور اس مسجد کے متعلق ان سے پوچھنے لگے۔ ہم نے ان کی ضیافت قہوہ سے کی۔ جو کچھ فاصلہ پر سڑک کے کنارے کھوکھے میں بک رہا تھا۔ دراصل ہماری چائے کا وقت ہو چکا تھا۔ اور چائے ہمیں کہیں نہیں مل رہی تھی۔ اور ہماری خواہش تھی۔ کہ چائے کہیں سے ملے۔ یہ اچھا موقع تھا کہ ہمیں وہاں کچھ دیر بیٹھنے کی جگہ ملی۔ پھر ہم وہاں سے مسجد رفاعی میں اوپر چڑھے۔ یہ مسجد فاطمید دور کی یادگار اور حضرت امام علی رفاعی جو سلسلہ تصوف کے ممتاز سلسلے رفاعیہ کے بانی ہیں۔ یہاں آرام کر رہے ہیں۔ پاک اور ہند میں اکثر مسلمان اس سلسلے سے وابستہ ہیں۔ یہ مسجد بہت عالی شان اور کشادہ اس کی چھت ممبر اور محراب ہنرمند نقاشوں کی خوبی و فن کاری کو بیان کرتی ہے۔ ممبر کے ساتھ لکڑی کا بہت بڑا محراب نقش و نگار کیا ہوا الگ سے

رکھا ہوا ہے۔ پوری مسجد سبز قالین سے بھری پڑی تھی دیواروں پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔

امام علی رفاعی کے حجرے کے ساتھ ایک اور حجرہ ہے۔ جس میں سبز قالین ہیں۔ ان میں تین مزار ہیں۔ پہلا مزار شاہ فاروق آخری مملوک حکمران مصر کا ہے۔ مصری فوج کے جنرل نجیب اور کرنل ناصر نے ۱۹۶۱ کی ایک رات شاہی محل پر شب خون مارا اور اس کا تختہ الٹ کر اسے قید کرلیا۔ اس کے ساتھ اتنی رعایت کی۔ کہ اس کی شرائط پر اس کو جلاوطن ہونے کی اجازت دی۔ اور مصر کی قومی حکومت قائم کردی۔ شاہِ فاروق کو اجازت تھی۔ کہ وہ اپنی پسند کی چیزیں اپنے ساتھ لے جائے۔ ایک بحری جہاز اسکندریہ کی بندرگاہ سے شاہ فاروق اور اس کے خاندان کو لے کر فرانس پہونچا اور اس نے پیرس میں جلاوطنی اختیار کی تھی۔ اس کی موت کے بعد اس کو اور اس کی بیوی جو علی رضا شاہ شاہِ ایران کی بہن تھیں اور فواد اس کا بیٹا تینوں کی قبریں یہاں ہیں۔

اس کے بعد ایک اور حجرہ ہے۔ جس میں بلوچستان کے سبز اونکس پتھروں کا فرش ہے سیدھی جانب اونکس پتھر کا سبز مزار ہے۔ جس کے ساتھ ایران کا قومی پرچم کھڑا ہے۔ یہ مزار شہنشاہ ایران آخری پہلوی خاندان کی یادگار۔ آخری حکمرانِ ایران علی رضا شاہ جس کی حکومت کا تختہ آیت اللہ خمینی نے ۱۹۸۰ میں الٹ کر دربدر کردیا تھا۔ انقلابِ ایران کے کرامات کی بنیاد خود ان کی فاطمید حکومت کے نشان ہیں۔ جو کبھی مصر پر حکمران تھے۔ مصر کے انور سادات نے جلاوطن خاندان شاہِ ایران کو اپنے پاس پناہ دی۔ جب کہ شہنشاہِ ایران کے یارانِ وفادار انگریز اور امریکن دونوں نے شاہ کو اپنی سرزمین پر پناہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ جنہیں خمینی پاسداران انقلاب سے ڈر لگتا تھا۔ مصر کے انور سعادات نے حق دوستی نبھایا اور کسی کی پرواہ کئے بغیر معزول شاہِ ایران کو بیوی بچوں سمیت اپنے ملک میں پناہ دی۔ شاہِ ایران وہاں دس سال جلاوطنی اور بیماری میں گزار کر اس

دنیا سے ۱۹۹۸ میں رخصت ہوئے۔ اور ان کو اس مسجد رفائی کے اس خالی حجرے میں دفن کیا گیا۔ جہاں اب ان کا مزار ہے۔ اس صدی میں بھی تاریخ خود کو ایک بار پھر دوہراتی ہے۔ موجودہ مدفن جہاں شاہِ ایران سورہے ہیں۔ یہ کبھی ان کے والد رضا شاہ پہلوی شہنشاہ ایران کا مدفن تھا۔ وہ زمانہ پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ سے ۱۹۱۸ کا تھا۔ رضا شاہ کا انتقال مصر میں ہو گیا تھا۔ جنگ کی وجہ سے ان کا جنازہ ایران نہیں لے جایا جا سکا تھا۔ اور ان کی بیوی نے ان کی لاش بطور امانت اس مسجد کو سونپ دی تھی۔ اور یہ حجرہ ان کا مدفن بنا رہا تھا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد جب حالات ٹھیک ہوئے اور علی رضا شاہ ایران میں اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ تو ان کے مرحوم والد کا تابوت مصر سے نکال کر ایران کے شاہی قبرستان میں دفن کیا گیا تھا۔ اس وقت سے اس مسجد کے حجرے کا خالی مدفن اپنے مکین کا انتظار کر رہا تھا۔ جو اس کے پہلے مکین کا حقیقی جانشین بھی ہو۔ حق بحقدار رسید۔ اے خدا۔ عجب تیری قدرت! عجب تیرے کھیل! ان دنیا میں ایسے بہت سے چھوٹے چھوٹے واقعات ہمارے اطراف دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ جن پر ہم کوئی توجہ نہیں دیتے اور نہ ہی ان میں غور و فکر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ سنگِ میل بنتے ہیں جو تاریخ کا منہ موڑ دیتے ہیں۔

اس کے ساتھ ایک مسجد ابنِ طولون بھی ہے۔ جو ترکی غلام تھا اور مصر کا گورنر تھا۔ اس نے خلافت بغداد سے الگ ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ ۸۷۹ء میں اس نے یہ مسجد تعمیر کی اس سے پہلے اس کے باپ نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی تھی جو ادھوری رہی۔ طولون نے اسی مسجد کو ادھوری رکھ کر اس کے ساتھ ایک اور مسجد بنائی، جو بڑی شاندار بہت چوڑے صحن کے ساتھ موجود ہے۔ شام کے پانچ بج رہے تھے اور ہمارے سفر کا آخری دن تھا۔ اور یہاں سیاحوں کے دیکھنے کے لئے قدیم اور جدید مصر میں اور دریائے نیل کے کنارے بہت سی یادگار چیزیں دیکھنے کے قابل

ہیں۔ مثلاً شہر اسکندریہ جہاں پمپائی کی ۸۸ فٹ اونچی پتھر کی لاٹ ہے۔ جو پمپائی کی فتح مصر کی یاد میں کھڑا کیا گیا ہے۔ پمپائی جو روم کا حکمران تھا۔ اس نے مصر کی حسینہ قلوپطرہ کو وہاں سے مار بھگایا تھا۔

بندرگاہ اسکندریہ پر سکندر اعظم جو تاریخ میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور ہے اس کی فتح کی یادگار عمارت بھی یہاں قائم ہے۔ یہاں سکندر اعظم کی قبر بھی ہے۔ مسلمانوں کے زمانے میں اسکندریہ بہت ترقی کر گیا تھا۔ سیاحوں کے لئے بہت بڑا مسافر خانہ اور شفا خانہ اور عظیم الشان علمی مرکز بھی رہا ہے۔ وہاں مسلم دور کا بہت بڑا کتب خانہ بھی ہے۔ جس میں دو لاکھ چمڑے کی مجلد کتابیں رکھی ہوئیں تھیں۔ جب جولیس سیزر نے روم سے آ کر اسکندریہ فتح کیا۔ تو اس کے نصرانی سپاہیوں نے اپنی فتح کی خوشی میں مسلمانوں کے نفرت کے اظہار میں اس کتب خانہ کو آگ لگا دی تھی۔ دریائے نیل کے کنارے کہتے ہیں۔ کہ حضرت دانیال پیغمبر کا مزار مبارک بھی ہے۔ جو کسی زمانہ میں علم ہندسہ اور مساحت کا مرکز بھی تھا۔ کہتے ہیں۔ سکندر اعظم کے انتقال کے بعد بطلیموس اول نے جب مصر پر حملہ کیا۔ تو اس نے اسکندریہ پر اپنی یادگار کا ایک مینار نور بنوایا تھا۔ جو سطح سمندر سے ۴۰۰ فٹ اونچا تھا۔ جب مصر پر بنو امیہ کی حکومت تھی۔ تو ولید بن عبدالملک نے اس مینار نور کو اور بھی ترقی دی اس میں شفاف شیشے لگوائے اور مینار کے اندر قندیلیں روشن کرائیں تا کہ اس کی روشنی شیشوں سے باہر ساحل روم پر دور سے بحری جہازوں کی رہنمائی کر سکے۔

مصر قدیم سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی مشترکہ میراث رہا ہے۔ اور یہاں دونوں قومیں مل جل کر زندگی کے ہر شعبہ میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ مصر میں مسجدوں کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے بڑے بڑے گرجا گھر اور کلیسا بھی ہیں۔ مثلاً قدیم مصر کے دریائے نیل کے

ساحل پر ایک قلعہ نما عمارت ہے۔ جو قصر الشمع کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے اوپر ایک کلیسا تعمیر ہوا ہے۔ اس کے صدر دروازہ پر ایک لوہے کی زنجیر لٹکتی رہتی ہے۔ اس کے ساتھ اور بھی گرجے اور کلیسا ہیں۔ ان میں ایک گرجے کے متعلق مشہور ہے۔ کہ جب حضرت بی بی مریمؑ نے اپنے نومولود کو گود میں اٹھا کر بیت اللحم سے باہر آئیں۔ تو لوگوں نے حیرت سے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کردی۔ اور پوچھا کہ کنواری مریم کی گود میں یہ نومولود کیسا ہے؟ ہیکل سے باہر نکلتے وقت اللہ نے حکم بھیجا تھا کہ تم لوگوں کے سوال کا جواب نہیں دینا۔ حضرت بی بی مریمؓ نے ان لوگوں سے اشارہ میں کہا کہ وہ روزہ سے ہیں۔ یہ بات ہم کو قرآنِ کریم میں سورۃ نمبر ۱۹ مریم سے معلوم ہوئی۔ بائبل کے مطابق حضرت بی بی مریمؓ نے اپنے نومولود کو لوگوں سے بچانے کے لئے بیت اللحم سے اٹھ کر مصر میں دریائے نیل کے کنارے اس قلعہ قصر الشمع میں پناہ لی تھی۔ اس کی یادگار میں یہاں ایک گرجا تعمیر ہوا جس کو حضرت عیسیٰؑ کا چلہ بھی کہا جاتا ہے۔

ہمارا ڈرائیور صدقی ہم کو بعض تاریخی عمارتیں دیکھانے لے جانا چاہتا تھا۔ مثلاً قہتہ الہوا اور قتیبۃ الجبل دار شفاء اور سیدہ زینبؓ جو حضرت سیدنا امام حسینؓ کی پڑنواسی کا مکان تھا۔ ہم نے اپنے ڈرائیور کو معذرت پیش کی۔ کہ ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔ ہمیں واپس ہوٹل ہلٹن جانا ہے۔ اور پھر وہاں سے سفیر پاکستان برائے مصر کے گھر جانا ہے۔ شام چھ بجے وہ چائے پر ہمارا انتظار کر رہے ہونگے۔ ہم ہوٹل کی طرف آئے منہ ہاتھ دھویا اور کپڑے بدلے اور ڈرائیور صدقی کو رخصت کیا۔ اور اس سے وعدہ لیا۔ کہ کل صبح ٹھیک چار بجے ہوٹل آئے گا۔ اور ہم سب کو لے کر ہلٹن سے قاہرہ انٹرنیشنل ائیر پورٹ پہونچا دیگا۔ جہاں سے صبح چھ بجے مصری جہاز قاہرہ سے جدّہ جانے والا ہے۔

ہوٹل رعمیس سے سفیر پاکستان کا مکان چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ ان کا مکان اور سفارت خانہ سر آغا خان سوم کے محل میں قائم ہے۔ ہم جگہ سے ناواقف تھے۔ اس لئے ٹیکسی لے لی اور ٹیکسی والے نے ہمیں ان کے گھر پہونچا دیا۔ سفیر پاکستان جناب انور کمال صاحب خود سیڑھیوں پر کھڑے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر ہم سب کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بیٹھے باتیں کیں۔ ان کی بیگم نے بڑی ضیافت کی۔ اپنی لڑکی اور لڑکے سے ملوایا۔ جو ابھی زیر تعلیم ہیں۔ پھر وہ ہم کو آغا خان کا محل دکھانے لے گئے۔ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ جس میں دیواروں پہ فریم پر جڑی ہوئی قدیم پینٹنگز لگی ہوئی تھیں۔ شاندار کمروں میں منقش چھت لکڑی کے چھت اور دروازہ واقعی قدیم محل تھا۔ خود جناب انور کمال صاحب کو بھی پینٹنگ اور مصوری کا بہت شوق ہے۔ ریاست بھوپال کے خاندانی نواب ہیں۔ بہت قابل ذہین اور سینئر سفیر رہ چکے ہیں۔ بہت سے شوق انھیں اپنے ورثہ میں ملے ہیں۔ فرصت کے وقت میں کچھ نہ کچھ کرتے ضرور رہتے ہیں۔ جب ہم ان کے ساتھ ڈھاکہ میں تھے۔ تو انھوں نے اعلیٰ نسل کے کتوں کو پالا اور ان کی نسل کی پرورش کرتے رہتے تھے۔ ٹینس کھیلنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے علاوہ باغبانی مچھلی کا شکار اور نہیں معلوم کیا کیا مشغلے ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ قدیم طرز کی تہذیب اور تمدن کے اب ایسے لوگ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے۔ ان کی محبت خلوص اور عزت افزائی یاد رہے گی۔ ہمیں وہ اور ان کی بیگم صاحبہ سیڑھیوں تک چھوڑنے آئے اور اپنے ڈرائیور سے اپنی گاڑی میں ہمیں ہلٹن چھوڑ وادیا۔

پرنس کریم آغا خان کے دادا سر آغا خان سوم مرحوم کو موجودہ پاکستانی نسل بلکل نہیں جانتی۔ اور نہ ہی ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں پاکستان کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے۔ سر آغا خان مرحوم کا اس پورے پاکستان اور ہند کے مسلمانوں پر اتنا بڑا احسان ہے۔ کہ ہماری آئندہ نسلیں

اس احسان کے بوجھ کو کبھی نہیں اتار سکتیں۔ سر آغا سوم نے پاکستان کی بنیاد رکھی اس کے لئے کام کیا۔ اور اس کے لئے اپنی دولت خرچ کی۔ اور اس کے لئے قائداعظم محمد علی جناح کو لندن سے بلوا کر مسلم لیگ کا صدر بنوایا۔ ان کی خدمات اور ان کا وجود نا ہوتا۔ تو شاید آج پاکستان بھی نہیں ہوتا۔ وہ پاکستان کے ہمدرد، سرپرست اور بہی خواہ تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی۔ کہ پاکستان کی قومی زبان عربی کو بنایا جائے۔ تاکہ پاکستان ایک اسلامی ملک بن کر عرب امارات سے لیکر دریائے نیل کے ساحل اور شمالی افریقا تک ایک مضبوط اور منظم تحریک (پان اسلامزم) کی قائم ہو۔ جو علامہ جمال الدین افغانی مرحوم کا خواب تھا۔ جو آغا خان کہ ساتھ شریک کار تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا۔ تو ساری عرب دنیا ایک امت مسلمہ کی کڑی میں آج متحد ہو جاتی۔ اور ایک اسلامی اتحاد کا اقوام متحدہ کا ادارہ ہوتا۔ جو دنیا کے سارے مسلمانوں کا مرکز بنتا۔ نہ عرب قومیت کے نام کی کوئی چیز ہوتی اور نہ عرب لیگ ہوتی۔ سارے مسلمان ایک متحدہ امت مسلمہ کی قوت بن جاتے۔

سر آغا خان سوم مرحوم جن کا اصلی نام سلطان محمد شاہ ہے۔ ان کا نسلی تعلق مصر کے فاطمید خلفاء کے ساتھ ملتا ہے۔ یہ اسماعیلی فرقے کے امام ہیں۔ انھیں بہت کم عمری میں امامت ملی۔ ان کی اعلیٰ قابلیت ذہانت اور خداداد صلاحیتوں سے تمام دینی علوم پر حاوی رہے۔ اور اپنے فرقے کی امامت سنبھالی۔ اور سارے مسلمانوں کی خدمت کی۔ ۱۹۳۲ میں لیگ آف نیشن (اقوام متحدہ) جنیوا میں جب قائم ہوئی۔ تو یہ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ ۱۹۰۶ میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔ تو یہ چھ سال تک اس کے پہلے صدر رہے۔ ان کی تمنا تھی۔ کہ پاکستان قائم ہو جائے۔ انھوں نے یہ اپنا ذاتی رہائشی محل پاکستان کو مفت تحفہ میں دیا اور خود دریائے نیل کے اس دہانے پر جہاں دریائے نیل نے اپنی جھک چھوڑ کر دوسری طرف پلٹ گیا۔ اور اپنی خالی چھوڑی ہوئی

جگہ آغا خان مرحوم کو دے دی۔ جہاں اب ان کا مقبرہ ہے۔ آغا خان کو سرزمین مصر سے جو محبت تھی اس کو انھوں نے ہمیشہ کے لیئے قائم رکھا۔ ان کے مقبرہ کے قریب ہی مصر کا مشہور اسوان ڈیم بنایا گیا ہے۔ ہم رات ۱۰ بجے ہوٹل واپس آئے۔ اور بیٹھے ایک گہری سوچ میں چلے گئے۔ یہ دنیا اور اس کے عجوبہ روزگار سب عبرت کے مقامات ہیں۔ دنیا کی قدیم قوموں کی تہذیب اور تمدن میں کیا نہیں تھا۔ ان کی دولت، حکومت واقتدار کے عروج وزوال کی تاریخ میں بہت سے عبرت کے سبق ہیں۔ تفریح سیر سپاٹے کرتے وقت زمین پر اللہ کی نشانیاں دیکھو۔ جو زمین پر اللہ نے باقی رکھیں ہیں۔ قرآن ظالم لوگوں کے کیسے کیسے قصہ سناتا ہے۔ جو اپنے وقت کے سورما تھے۔ آج ان کے نام ونشان باقی نہیں ہیں۔ ہم کو چاہیئے کے ہم ان چیزوں پر غور کریں۔ اور سوچیں۔ قدرت کا قانون یہ ہے۔ جو یہاں آیا ہے۔ اس کو یہاں سے جانا لازمی ہے۔ جو آج نظر آتا ہے وہ کل نہیں ہوگا۔ ابھی جو وقت ملا ہے اس کو غنیمت سمجھو۔ تاریخ کا سفر بہت لمبا ہے۔ سلطان صلاح الدین نے بہت چھوٹی سی ۲۶ سال کی عمر میں اس وقت کے عربوں کے انتشار کو متحد کر کے تیسری صلیبی جنگ میں اپنا چھینا ہوا یروشلم اور مسجد اقصیٰ واپس لیا تھا۔ اور ۴۸ سال کی عمر میں انتقال کیا اور دمشق میں دفن ہوا دنیا اس کو یاد رکھے گی۔ عربوں کی قومیت کے نعرے نے اور شریف مکہ کے بیٹوں کی منافقانہ چالوں نے مسجد اقصیٰ اور یروشلم کو دسمبر ۱۹۱۸ میں کتنی آسانی سے انگریزوں کے حوالہ کر دیا تھا۔ یہ ہماری تاریخ ہے! کہ ہم نے خود اسرائیل کو وہاں آنے دیا۔ اور آج وہاں اسرائیلی حکومت قائم ہے۔ آج ہم سوچیں کہ کس کس نے کہاں کہاں غلطیاں کیں اور آج اپنی کھوئی ہوئی قدر اور عزت کو کس طرح بحال کر سکتے ہیں۔

بارِ دنیا میں رہو غم زدہ کے شاد رہو　　　ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

مصر سے مکّہ کا سفر

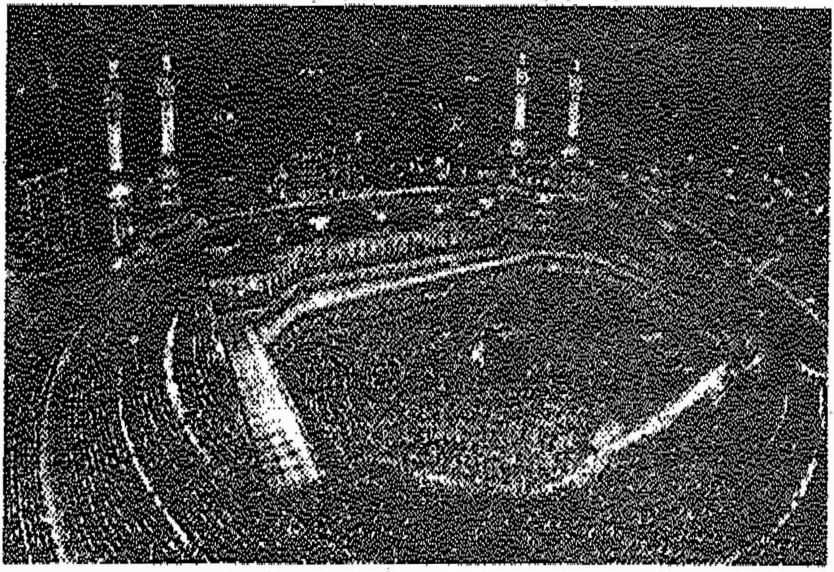

جمعرات ۱۸ دسمبر ۲۰۰۲ کو تین بجے صبح ہم جاگے اور تیار ہو کر ملٹن سے نیچے آئے چیک آؤٹ کرایا ۔ ڈرائیور صدقی حسب وعدہ وہاں موجود تھا ۔ وہ ہم سب کو لے کر قاہرہ انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر پہونچا ۔ ہم ائیر پورٹ کے ضروری مراحل سے گزرے اور انتظار گاہ میں جا بیٹھے ۔ ایک بڑے اسلامی ملک کے ائیر پورٹ پر نماز پڑھنے کی کوئی جگہ مخصوص نہ تھی ۔ اور نہ قبلہ کی سمت کا تعین تھا ۔ لوگوں سے پوچھ کر ہم نے چادر بچھا کر فجر کی نماز ادا کی ۔ اور مصر کے جہاز میں سوار ہوئے جہاز ۶ بجے جدہ کی طرف روانہ ہوا ۔ سارے مسافر نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ ناشتہ کر رہے تھے ۔ اور اسکرین پر جہاز صحرائے "سینائی" کی طرف جارہا تھا ۔ یہ وہ جگہ ہے ۔ جہاں سے فرعون مصر کے دریائے نیل میں غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کی تاریخ شروع ہوتی ہے ۔ یہ بڑی سرکش

نافرمان قوم تھی۔ برسوں کی غلامی اور ذلت میں یہ بلکل ناکارہ ہو گئے تھے۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ انھوں نے اپنے ملک فلسطین جانے سے انکار کر دیا۔ اور ان کا یہ مکالمہ اپنے پیغمبر سے قرآن مجید میں سورۃ نمبر ۷ اعراف کی آیات ۱۲ سے ۲۶ تک آیا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کو سزا ئیں چالیس سال صحرائے سینائی میں جلاوطن بھٹکتے رہنے دیا۔ چالیس کی مدت اس لئے رکھی۔ کہ ایک نسل سے دوسری نسل پیدا ہو جائے تو ان کی اخلاقی حالت بدل جاتی ہے۔

یہاں ایک اور عجیب واقعہ قرآن نے سنایا کہ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹوں کی اولاد بارہ اسباط میں بدل گئی تھی۔ اور انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا۔ کہ ہم بارہ اسباط ہیں۔ جو ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی رکھتے ہیں۔ ہم سب ایک چشمہ سے پانی نہیں پیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے کہہ کر ہمارے لئے زمین سے بارہ چشمہ نکالو تب پانی پینگے۔ اسی لئے ان کی سرکشی پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قیامت تک ان پر لعنت بھیج رکھی ہے۔ ہزاروں سال گزرنے کے بعد آج بھی اسرائیلی حکومت میں یہ بارہ قبائل اپنی اپنی نو آبادیاں الگ الگ بنا رکھی ہیں۔ اور وہی نفرت اور دشمنی آج بھی ان کے درمیان ہے۔ ہم ان خیالوں میں گم تھے۔ کہ کیپٹن نے آواز دی کہ ہم جدہ ائیر پورٹ پر اترنے والے ہیں۔

صبح نو بجے تھے۔ ہم جہاز سے اتر کر کسٹم حال میں پہونچے۔ تو دیکھا کہ جدہ میں پاکستان کے قونصل جنرل جناب طاہر بٹ صاحب ہاتھ میں چھوٹی سی تسبیح گھماتے ہوئے۔ ہماری طرف آرہے تھے۔ اور بڑی گرم جوشی سے انھوں نے مصافحہ کیا اور گلے لگایا۔ اور وی۔ آئی۔ پی استقبالئے میں ہم کو لے گئے۔ اور وہاں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھوڑی دیر میں ہمارے پاسپورٹ دوبارہ ہمارے پاس آگئے۔ اور سامان ائیر پورٹ کے باہر دو گاڑیوں میں رکھا جا رہا تھا۔ اور ہم

سب باہر آئے۔ دونوں گاڑیاں ہم سب کو لے کر قونصل جنرل کے مکان پر آ کر رکیں۔ اور ہم سب ان کے مہمان بنے۔ ان کے گھر دوپہر کا پر تکلف کھانا کھایا۔ نماز پڑھی اور دو گھنٹے آرام کیا۔ شام چار بجے غسل کیا۔ اور احرام پہنے۔ احرام کی نیت کی دو رکعت نماز ادا کی۔ اور عصر کی نماز ادا کر کے شام کی چائے پی۔ تو قونصل جنرل صاحب نے بڑی محبت سے ہمیں مکّہ کی طرف روانہ کیا جہاں پہلے سے مکّہ ہلٹن انٹرنیشنل میں ہمارے کمرے محفوظ ہمارے منتظر تھے۔

مکّہ ہلٹن کی ۲۲ منزلہ اونچی عمارت مکّہ کے صدر دروازہ باب العزیز سے دس قدم کے فاصلے پر ہے۔ ہم سب احرام باندھے صدر دروازہ پر پہونچے۔ اور ایک کے ہاتھ میں پلاسٹک کی تھیلی میں ہمارے پاسپورٹ اور ٹکٹ تھے۔ شرطے محافظ دربانوں نے ہمیں اندر جانے سے روک لیا اور کہا۔ یہ تھیلی امانت گھر میں رکھ کر آئیں اور خالی ہاتھ جائیں۔

ان سے بحث ہونے لگی اور سمجھایا کہ یہ پاسپورٹ ہیں۔ اور بہت اہم ہیں ہمارے لئے۔ لیکن وہاں ان کا حکم چلتا ہے۔ بڑا غصہ آیا اور وہاں غصہ کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ اتنے میں مغرب کی اذان کی آواز آئی۔ اور ہم نے صدر دروازہ کے باہر صحن کے فرش پر نماز ادا کی اور واپس ہوٹل چلے آئے۔ جو جذبات اور خیالات جوشِ عقیدت کے اپنے ساتھ لائے تھے۔ کہ پہلی نظر میں کعبۃ اللہ کے غلاف کو دیکھنے کی تمنا جو دل میں مچل رہی تھی اس پر پانی پڑ گیا۔ جب ذرا غصہ ٹھنڈا ہوا اور ٹھنڈے دل سے سوچنے لگے۔ تو وہ شرطے والی حرکت ہمارے لئے اللہ کی حکمت ثابت ہوئی۔ اور فوراً ہمارا خیال اور ذہن قرآن کی سورۃ نمبر ۲۰ طٰہٰ کی طرف متوجہ ہوا۔ کوہِ طور پر اللہ تعالی نے حضرت موسیٰؑ کو بلا کر سب سے پہلے یہ سوال کیا۔ موسیٰؑ تمہارے ہاتھ میں یہ کیا ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا! پروردگار یہ میرا عصاء ہے۔ حکم ہوا اس کو زمین پر ڈال دو۔ اللہ کے سامنے دنیا کی

کوئی چیز اپنے ہاتھ میں نہ رکھو۔ اور یہاں جوتے اتار دو۔ تم بڑی مقدس جگہ پر کھڑے ہو۔

ہم نے ہوٹل کے سیف میں پاسپورٹ رکھے۔ اور خالی ہاتھ اور ننگے پاؤں کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے۔ اب ہماری خوشی کا کچھ اور حال تھا۔ ہمارا دل اندر سے بلیّوں اچھل رہا تھا۔ ایک ڈر اور ہیبت ہر برامدہ پار کرنے کے بعد ہم پر طاری رہی۔ ہم اونچائی سے نیچے کی طرف آ رہے تھے کہ ایک سیاہ غلاف پر نظر پڑی۔ اور زبان سے بے اختیار اللہ اکبر آ گیا۔ ذرا آگے بڑھے تو دیکھا کہ پروانوں کا ہجوم اپنے المعبود۔ الموجود۔ المقصود کے گھر کے اطراف چکر کاٹ رہا ہے۔ اس ذوالجلال والکمال ولجبروت کی حمد و ثناء میں سب ایسے مصروف تھے۔ کہ ایک کی فریاد دوسرے سے بلکل الگ تھی۔ ہم لرزتے دل کے ساتھ جب وہاں پہونچے۔ تو غلاف ہی غلاف نظر آ رہا تھا۔ جب ہم اس کے روبرو اس کی چوکھٹ کے آگے پہنچے تو دیکھا کے دروازہ بند ہے۔ قفل لگا ہوا ہے اور ایک مستطیل عمارت ہے۔ نہ اس میں کوئی کھڑکی ہے اور نہ کوئی روشن دان ہے۔ اس کی چھت کے ساتھ ایک مضراب رحمت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اس کے اندر اللہ رہتا ہے۔ جب سے حضرت ابراھیمؑ نے اللہ کا یہ گھر بنایا ہے۔ اس وقت سے اللہ سبحانہ تعالی دونوں جگہ عرش اور بیت اللہ میں رہنے لگا ہے۔ اس کی مرضی وہ جہاں چاہے رہے۔ ہم تو یہاں اس کا جلوہ دیکھنے آئے ہیں۔ اس کا جلوہ کون دیکھے کس کو اتنا ہوش ہے۔ حضرت موسیٰؑ جو اس کو نہ دیکھ سکے وہ کوہ طور پر بے ہوش تھے۔

کعبۃ اللہ کی کہانی ایک مرد ایک عورت اور ایک بچے کے مثلث روحانی تصور کے گرد گھومتی ہے۔ یہ مستطیل عمارت اس عہد اور میثاق کی تکمیل ہے۔ جو قرآن کریم کے الفاظ میں اسلم۔ اسلمہ۔ اسلمتُ۔ تسلیم و رضا کی ذبح عظیم پر ختم ہوتی ہے۔ یہ گھر اللہ کا ساری دنیا کے مسلمانوں کے لئے مرکز روحانیت ہے۔ اور کعبۃ اللہ اور قبلہ اول قیامت تک باقی رہے گا۔ اس کا

دروازہ اور چوکھٹ توبہ کرنے والوں کے لئے ہر وقت کھلا ہے۔ اور دنیا جہاں کے دھتکارے ہوئے لوگوں کے لئے جائے پناہ اور امن و عافیت کا جاۂ پناہ ہے۔ نا ہوتا یہ گھر خدا کا تو نہ جانے ہم کہاں جاتے؟ اس گھر سے آج تک کوئی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ بے حساب زندگی بھر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جو چاہو مانگو کوئی روک ٹوک نہیں۔ دنیا مانگو دنیا ملے گی۔ آخرت مانگو آخرت ملے گی ۔ دنیا اور آخرت مانگو دونوں ملیں گے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات ۲۰۱ سے ۲۰۳ تک کیا گیا ہے۔ نصیب اپنا اپنا قسمت اپنی اپنی مانگنے کا سلیقہ آنا چاہیئے اور مانگنے والوں کا حوصلہ دیکھا جاتا ہے۔

نماز عشاء کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔ ہم مصلّے ابراھیمؑ سے لگے قالین پر جا بیٹھے عورتیں عورتوں کی صف میں چلی گئیں۔ مائیکروفون نصب ہوئے۔ اور امام کعبہ سیاہ زرق برق عبا اوڑھے خدام کعبہ کے جلوؤ میں خراماں چلے آئے۔ بڑی تکریم سے لوگوں نے ان سے مصافحہ کیا جماعت کھڑی ہوئی۔ سعوٗ کی آواز پر صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ نماز شروع ہوئی اور ختم ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی نمازِ فرضِ کفایہ کا اعلان ہوا۔ دو تین جنازے باہر سے حرم میں لائے گئے۔ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور یہ ایک طریقہ روایت کے طور پر بن گیا ہے۔ حنفی مسلک میں روح نکلنے کے بعد مردہ لاش اتنی محترم نہیں رہتی۔ کہ اس کا داخلہ مسجد کے حدود کے اندر جائز سمجھا جائے۔

نماز کے بعد ہم پانچوں طواف کعبہ کے لئے رکن یمانی پر جمع ہوئے۔ کعبۃ اللہ کی طرف دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنی حاضری لگائی۔ اور اللہ اکبر کے نعرے کے ساتھ تکبیرات کہے اور دعا کی اور ہاتھوں میں ہاتھ لئے طواف شروع ہوا۔ ہم میں سے ہر ایک کی دلی کیفیت الگ الگ تھی۔ اور اللہ سب کا حال جانتا تھا۔ دعائیں دل سے نکل رہی تھیں۔ اور آواز حلق میں دبی ہوئی تھی۔

ایک احساس کیف کہ ہم اللہ کے سامنے اس کے گھر کا صدقہ ہو رہے ہیں۔ اور وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہم کو دیکھ رہا ہے۔ ہماری نظریں نیچیں ہیں۔ جتنی دعائیں یاد تھیں سب صرف ہوگئیں۔ پہلا چکر ختم ہوا رکن یمانی پر ہاتھ اوپر اٹھا کر دوبارہ حاضری لگائی۔

لبیک..... اے اللہ! ہم تیرے گھر پر حاضر ہیں تو ہم کو بخش دے اور ہم کو معاف کر دے دوسرا چکر شروع ہوا ہمارے پاس دعاؤں کے کتابچے تھے اس کو بار بار پڑھتے جاتے اور پھیرے ختم کرتے تھے۔ ہر شخص اپنے اپنے حال وخیال میں ڈوبا ہوا۔ مجنون نظر آرہا تھا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا۔ اور نہ پتہ لگا۔ سات پھیرے کب مکمل ہوئے۔ اور ہم طواف سے باہر نکل کر مصلئے ابراھیمؑ پر کھڑے ہوئے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں کوئی دعا رد نہیں ہوتی۔
دو رکعات نماز کے بعد ہم زم زم کے کنواں کی طرف آئے اور اندر تک گئے۔ اور اس آدمی کے ہاتھ سے پانی لیا۔ جس کا خاندان ہزاروں برس سے صرف حاجیوں کی ضیافت اور پانی پلانے پر چلا آرہا ہے۔ یہ خاندان بنی ہاشم ہے۔ ابو مطلب کے خاندان کا یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ کہ اللہ کے مہمانوں کی مہمان نوازی کرنا ہم نے یہاں کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ کر کے پانی پیا۔ اور ہر گھونٹ کے ساتھ دعا مانگی۔ کہ اے اللہ! تو ہمیں جسمانی صحت اور تندرستی دے۔ اور ہمارے تمام امراض کو شفاء عطا فرما۔ سب کچھ تیرے پاس ہے تیرے زم زم کے کنوئیں میں ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر کوہِ صفاء و مروہ کی پہاڑی کی طرف آئے۔ جہاں ہزاروں برس سے اس پہاڑی کا نشان موجود ہے۔ اور گواہ ہے کہ حضرت بی بی حاجرہؓ اس کی وادی کی گرم ریت پر اپنے ننھے معصوم کو لٹا کر اس پہاڑی پر چڑھیں تھیں اور دونوں پہاڑیوں کے درمیان بار بار دوڑتی تھیں۔ بار بار آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر اپنے دل کی بات کہتی تھیں کہ اے اللہ! تیرے توکل اور سہارے پر میں امید

لگائے بیٹھی ہوں۔ میری حاجت اور ضرورت کون جانتا ہے۔ اور جب تھک جاتیں۔ تو اس پہاڑ پر بیٹھ کر صبر کرتیں۔ اور اپنے نومولود کو جھوٹی تسلیاں دیتیں۔ صبر و ثبات تقویٰ اور ایمان بالغیب کا یہ وہ منظر تھا۔ کہ آسمانوں سے ملائکہ جھانک جھانک کر دیکھتے جاتے تھے۔ اور اللہ سے دعا کرتے تھے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ کو یہ سارا منظر بی بی حاجرہؓ کا ایمان و یقین کا اتنا پسند آیا۔ کہ حکم ہوا کہ اعلان کردو ۔ کہ قیامت تک یہی منظر میری نظروں کے سامنے دوہرایا جاتا رہے گا۔ اور یہ عمل حج اور عمرہ کی عبادت کا لازمی رکن بنادیا جائے۔ ربُ البیت کا طواف کرنے والا حضرت بی بی حاجرہؓ کی یہ سنت جب تک پوری ادا نہیں کرے گا۔ تب تک اس کا کوئی حج اور عمرہ اللہ کو قبول نہیں ہوگا۔ یہ وہ عبادت ہے کہ جو ہر مسلمان کو اپنی زندگی میں کم سے کم ایک بار ادا کرنی ہے۔

اگر غور سے دیکھو تو حج اور عمرہ کی عبادت کا فلسفہ تسلیم و رضا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک شوہر اپنی بیوی کو اس کے دودھ پیتے بچے سمیت ہزاروں میل دور سے لاکر عرب کے ریگستان میں صفا و مروہ کی خشک گرم ریت کی وادی میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بیوی اس سے پوچھتی ہے کہ تم مجھے یہاں بے آب و گیاہ صحرا میں جہاں نہ کوئی آدم ہے اور نہ کوئی آدم زاد ہے۔ مجھے اس معصوم بچے کے ساتھ بلکل اکیلا چھوڑ کر کہاں جارہے ہو۔ میں یہاں کیا کروں گی۔ شوہر نے جواب دیا بی بی میں نے اللہ کا حکم پورا کیا ہے۔ اس کی مرضی پر اور توکل اور سہارے پر تم کو اور بچے کو چھوڑے جارہا ہوں۔ وہی تمھارا مولا اور مددگار رہے گا۔ تم اللہ پر ایمان بالغیب رکھو اور صبر کرو یہی مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔ قرآن کریم کا سب سے پہلا سبق مدد مانگو اللہ سے۔ صبر کی توفیق دے۔ اور جب صبر کرنا مشکل ہوجائے۔ تو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرو صبر کی اور یہی تمہاری نماز ہے۔

چنانچہ اسی آیات کے ساتھ صفا و مروہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی بنایا۔ اور کہا کہ یہ دو پہاڑ شعائر اللہ۔

ہیں جب یہاں تم پہونچو۔ تو بی بی حاجرہؑ کے صبر و توکل اور تسلیم و رضا کو یاد کرو۔ اور یہ صفت اپنے آپ میں پیدا کرلو۔ تو تمھارا عمرہ اور حج مبرور ہوگا۔ اللہ اس کو قبول کرے گا۔ جب تک دل کے اندر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اور وہ روحانی کیف حاصل نہیں ہوتا۔ دل میں نئی روح اور تازہ ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ تو پھر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مقام معرفتِ الٰہی کا ہے۔ جب یہ نصیب ہو جائے تو پھر ابراہیمؑ کا وہ ایمان دل میں روشن ہو جاتا ہے۔ جس سے اپنے ماں باپ، بہن بھائی، رشتے دار اور اپنا وطن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بے وطن ہو جانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مرد مومن کی صفات ہیں۔ جس کے ایمان بالغیب اور یقین محکم کی وہ منزل سامنے آجاتی ہے۔ کہ پھر آگِ نمرود بھی جس کا کام جلا کر خاکستر کر دینا ہے۔ وہ ٹھنڈی ہو کر گلزار بن جاتی ہے۔ اور وہ منزل سامنے آجاتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں ومارمیتَ اذ رمیتَ یعنی جب تم چلو زمین چلے اور آسمان چلے۔ اور جب ہم چلیں تو سایہ بھی ہمارا نہ ساتھ دے۔ عمرہ کے ساتھ پھیرے اس جذبہ و ایمان کے ساتھ ہم نے پورے کئے۔ محنت اور مشقت اللہ کی راہ میں خالی نہیں جاتی۔ اطاعتِ خداوندی اور پیروی سنتِ رسول مقبول ﷺ ہی ہماری زندگی کا حاصل ہے۔ اور زندگی بھر اس عمل کو جاری رکھنا ہے۔ عمرہ کے ساتھ پھیرے مکمل ہوئے۔ کوہِ مروہ کی چوٹی پر ہم نے دو رکعت نماز ادا کی اور جسم و جاں کا صدقا اپنے سر کے بال اتار کر چھوڑے۔ اور خوش خوش پھر زم زم پر آئے اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور آبِ زم زم دل بھر کر پیا۔ اور ہوٹل واپس آئے۔

دوسرے دن جمعہ تھا اور مکہ میں عام تعطیل تھی۔ ہم تہجد کے وقت سے کعبۃ اللہ کے سامنے بیٹھے فجر کی نماز کا انتظار کر رہے تھے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ آج ربُ البیت کا دوبارہ طواف کریں گے۔ جونہی نماز ختم ہوئی۔ لوگ سب چھوڑ کر خانہ کعبہ کی طرف دوڑے۔ کہ حجرہ اسود کو بوسہ

دیں۔اور دوسرے بھی ان کی نقل کرتے دوڑے۔ کیا مرد کیا عورتیں سب کے سب کعبۃ اللہ کی چوکھٹ کو چوم رہے ہیں۔اور دروازہ کو ہاتھ لگارہے ہیں۔اور کوئی غلاف پکڑ کر جھوم رہا ہے۔اور کوئی دیوار سے لگا ہوا اپنی بخشش کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ایک ہلڑ بازی اور دھکم پیل کا منظر تھا محبت اور عقیدت جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو جنون کے آثار پیدا ہوجاتے ہیں۔دیکھنے والوں کو یہ منظر اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ بے ادبی اور بے حرمتی اللہ کے گھر کے سامنے نہ اللہ کو پسند ہے اور نہ اللہ کے رسول کو۔یہ تو بڑے ادب واحترام کا مقام ہے۔کہ اس کے روبرو ہوتے ہوئے دل دھڑکتا ہے کہ کہیں ہمارے زندگی بھر کے اعمال خراب نہ ہوجائیں۔

ہم پانچوں ہاتھوں میں ہاتھ لئے عمرہ کرنے میں مصروف ہوئے۔ہماری آج کی کیفیت واحساسات گزشتہ شب کے طوافِ ربُ البیت سے کچھ مختلف تھے۔آج کے طواف میں جلال کے ساتھ جمال بھی تھا۔ایک خوشی سی تھی اور جمعہ کی وجہ سے آج مجمع کافی تھا۔ ہم بہت جلد طواف سے فارغ ہوئے۔اور حطیم کے مقام پر آکر بیٹھ گئے۔دو رکعت نماز پڑھی۔حطیم نصف دائرہ میں کعبۃ اللہ کی عمارت کے ساتھ زمین سے تین فٹ اونچی دیوار ہے۔جو اس کے دو کناروں کی طرف چلی جاتی ہے۔جہاں دو طرف راستے بنے ہوئے ہیں۔اس کی تاریخی حیثیت یہ ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کے اندر حضرت بی بی حاجرہؓ اور حضرت اسماعیلؑ کی قبریں ہیں۔اور دوسری کعبۃ اللہ کی دیوار سے لگا ہوا ایک حلقہ بنا ہوا تھا۔جس میں بتوں کے چڑھاوے نذر و نیاز تحفے سب ڈالے جاتے تھے۔اور محفوظ رہتے تھے۔اس کے بعد وہاں چوری ہونے لگی۔بدّو اس کو اٹھا کر لے جانے لگے۔قدرت کی طرف سے وہاں اچانک ایک اژدھا آگیا۔جو گول دائرہ کی شکل میں لیٹا رہتا اور لوگ اس سے ڈر کر اس کے قریب نہیں جاتے۔کچھ زمانے بعد مکّہ کے سرداروں

نے یہ فیصلہ کیا۔ کہ کعبۃ اللہ کی دیواریں بہت چھوٹی ہیں۔ اس کو قدِ آدم اونچا کیا جائے۔ جب لوگ کھدائی کا سامان لے کر وہاں پہنچے تو اژدھا سر اٹھائے پھنکار مارتا۔ اور لوگ ڈر کر بھاگ جاتے تھے۔ کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اژدھے کے قریب جائے اور اس کو وہاں سے نکالے۔ فیصلہ ہوا کہ کعبۃ اللہ کے اندر جا کر سب مل کر دعا کریں کہ وہ اس مصیبت کو ہٹائے۔ دعا کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک گنجا عقاب اڑھتا ہوا آیا۔ اور اژدھے کو اپنے پنجوں میں دبوچ کر لے اڑا۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کی دیواریں اونچی کی گئیں۔

اس واقعہ کو ابنِ اسحاق جو عرب کا سب سے پہلا مورخ ہے اور سیرت نگار سمجھا جاتا ہے اس نے اپنی کتاب میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس نے ولید بن مغیرہ عرب کے مشہور شاعر کے اپنے خیالات جو اس نے عربی میں لکھے تھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے! میری قوم کے لوگو! تم اژدھے سے ڈر رہے تھے۔ جب وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے اوپر نیچے جا رہا تھا تم ڈر رہے تھے۔ کہ ہم اس مصیبت سے کیسے نجات پائیں۔ تم نے دیکھا کہ ایک گنجا عقاب اڑتا ہوا آیا اور جھپٹ کر اس کو اپنے پنجوں میں دبا کر لے گیا۔

اے! بنی قہر کے لوگو! تمہارے لئے اس واقعہ میں عبرت ہے۔ تم میں سے ہر شخص کو غور و فکر کرنا چاہیئے۔ یہ حوالہ تاریخ کا ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے دیا ہے۔ جنھوں نے ابنِ اسحاق کی گم شدہ کتاب کو ترکی کے کتب خانہ کے ذخیرہ سے تلاش کیا تھا اور اس کو مصر سے شائع کرایا تھا۔ اس سے پہلے لوگ ابنِ ہشام کو تاریخ و سیرت کا پہلا مورخ جانتے تھے۔ حالانکہ ابنِ ہشام ابنِ اسحاق کا شاگرد رہا ہے۔ اس واقعہ کی تصدیق قرآن کی سورۃ نمبر ۲۷ النمل کی آیات ۸۲ میں کی گئی ہے۔

جس میں کہا گیا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت سے پہلے مکہ کی زمین کے اندر سے ایک ایسا جانور

نکالے گا۔ جو لوگوں سے ان کی زبان میں باتیں کرے گا۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ جانور کیسا ہوگا اور اس کی شناخت کس طرح ہوگی۔

ہم لوگوں نے حطیم سے باہر آ کر مصلےٰ ابراھیمؑ پر دو رکعت نماز ادا کی۔ اور زم زم پیا۔ اور واپس ہوئے۔ کوہِ صفا و مروہ کی پہاڑی پہلے بہت اونچی اور طویل تھی۔ اب تو اس کے صرف آثار نظر آتے ہیں۔ یہاں پر معجزہ شقُ القمر پیش آیا تھا۔ جس کو قرآن نے سورۃ نمبر ۵۴ نجم الثاقب میں بیان کیا ہے۔ واقعہ یہ تھا۔ کہ نمازِ عشاء کے بعد حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ صفا و مروہ کی پہاڑی پر چڑھ آئے تھے۔ چودھویں کا پورا چاند اپنی نورانی چاندنی سے زمین و آسمان کو روشن کر رہا تھا۔ بڑا اچھا منظر تھا۔ عرب کے لوگ ایسی چاندنی راتوں میں بیٹھے پرانے قصہ گو سے پرانی کہانیاں و قصے سنتے اور ریت کے فرش پر لیٹے ہوئے چاند کی روشنی کا لطف اٹھاتے۔ صابی ستارہ پرست چاند کے آگے سجدہ کرتے تھے۔ جو ان کا نور کا روشن خدا سمجھا جاتا تھا۔

حضور ﷺ صحابہ کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ آپؐ نے اپنے سیدھے ہاتھ کی کلمہ شہادت والی انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا۔ اور چودھویں رات کا پورا چاند دو ٹکڑے ہو کر درمیان سے الگ الگ دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ ساری دنیا کے لوگوں نے یہ عجیب و غریب معجزہ دیکھا۔ اور حیران ہو کر ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے اور گھبرا کے بھاگنے لگے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے دوبارہ چاند کی طرف انگلی اٹھائی۔ اور اشارہ کیا۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ چاند کے دو الگ الگ ٹکڑے آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے آ کر مل گئے۔ اس معجزہ سے رسول اکرم ﷺ کی حقانیت اور رسالت کی تصدیق ہو گئی۔ اور صابی قبیلے کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے توبہ کی اور ایمان لے آئے۔

حضور اکرم ﷺ مکّہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ان کے خاندان قبیلے سے سب لوگ واقف تھے۔ اور ان کے عزیز رشتے دار ان کے آپس کے جاننے والے ان کو امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس کے باوجود وہ حضور اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے منکر تھے۔ یہ حقیقت سب کے سامنے تھی۔ کہ حضرت بی بی آمنہؓ کی امانت آمین بن کر غارِ حرا کی گود میں آئی تھی۔ اور اللہ کے رسول ﷺ جو پیغام غارِ حرا سے مکّہ والوں کے لائے وہ حق تھا۔ اس میں جھوٹ کوئی نہیں تھا۔ اس کے باوجود اہلِ مکّہ ان کی جان کے درپے کیوں ہو گئے تھے؟ اور اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ جھگڑا صرف ایک کلمہ کا تھا۔ قرآن مجید نے اس کو کلمہ التقویٰ کہا ہے۔ اور اس کی تفصیل سورۃ نمبر ۳۸ صٓ میں ہے۔ کفارِ قریش یہ کہتے تھے۔ کہ ہم اپنے باپ دادا کے زمانے سے ایک الٰہ کے ماننے والے ہیں۔ اور پھر تم یہ نیا دین کیا لائے ہو۔ اور ہم سے کیا کہلوانا چاہتے ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ اگر تم الٰہ سے پہلے لا کہہ دو۔ تو تمھارا اور ہمارا جھگڑا ختم۔ اور ہم کچھ نہیں چاہتے کہ تم صرف ایک خدا کو مان لو اور اس کی عبادت کرو۔ سرداروں نے کہا۔ کیا ہم تمہارے ایک خدا کے لئے مکّہ کے تین سو ساٹھ بت باہر نکال کر پھینک دیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں کب یہ کہتا ہوں۔ میں تو صرف لا الٰہ کہلوانا چاہتا ہوں۔ سردارِ قریش اہلِ زبان تھے۔ اور اچھی طرح جانتے تھے کہ صرف لا کہنے سے ان کی سرداری، ان کا رعب اور فخر و شان و شوکت سب ختم ہو جائیگا اس لئے وہ لا الٰہ کہنے کو تیار نہ تھے۔ الٰہ تو وہ کہتے تھے۔ اور دلیل دیتے تھے۔ کہ ہمارے بت ہمارے الٰہ نہیں ہیں۔ بلکہ یہ الٰہ تک پہونچنے کا وسیلہ، ذریعہ اور درمیان کا ذریعہ سفارش ہے ان کے وسیلہ اور واسطے سے ہم الٰہ تک پہونچ سکتے ہیں۔ اور ہم کسی قیمت پر لا الٰہ نہیں کہنے والے ہیں اس کلمہ لا الٰہ کی اہمیت کلمۃ التقویٰ کے نام سے سورۃ نمبر ۱۴ ابراھیم کی آیات ۲۴ اور ۲۶ میں

پڑھیں۔

مکہ میں دیکھنے کے قدیم آثار۔ نئی تعمیر سے سب ضائع کر دیئے گئے۔ مکہ کی چار دیواری میں جو کچھ ہے۔ وہی محترم ہے۔ مکہ سے باہر مسجد جن ہے۔ یہ وہ جگہ ہے۔ جہاں جنات کی ایک جماعت آکر قرآن سنتی تھی اور حضور اکرم ﷺ ان کو دین اسلام وشریعت سمجھاتے۔ اور ان کے سوالات کا جواب دیتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ سے پہلے کسی پیغمبر یا نبی نے جنات کے لئے کوئی دینِ اسلام نہیں لایا تھا۔ حضرت سلیمانؑ کو اللہ تعالی نے علم الکتاب سکھایا تھا۔ جس کے ذریعے آپ شیطان اور جنات کو اپنے قبضے اور اختیار میں رکھتے اور ان کو مصروف رکھتے تھے۔ جنات اگر چہ کے شیطان ہی کی ایک قسم ہیں۔ جو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ شیطان جو ابلیس بھی کہلاتا ہے۔ اللہ کے دربار سے مردود ہوا اور قیامت تک اس پر اللہ کی لعنت آئی ہے۔ انسان کی تخلیق مادہ سے یعنی مٹی و پانی سے ہوئی ہے اور شیطان وجنات کی تخلیق ہوا سے یعنی گندھک اور دھویں سے ہوئی ہے۔ اس لئے یہ دو مختلف تخلیقات ہیں۔ لیکن ان دونوں کا مقصد حیات ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ کی عبادت، اطاعت اور بندگی ہے۔ دونوں کے لئے موت وحیات اور رزق اور تقدیر آسمانوں سے اترتیں ہیں۔ اس دنیا میں جو بھی زندگی لے کر آیا ہے۔ اس کو واپس قبر کے راستے اللہ کے پاس واپس جاتا ہے۔ اس لئے حیات بعد الموت دونوں کے لئے ہے۔ اور دونوں کے زندگی بھر کے اعمال فرشتے وزن کر کے دیکھیں گے اور اس پر فیصلہ ہوگا۔

قرآن مجید میں سورۃ نمبر ۷۲ جن ۔ میں دونوں کا ذکر آیا ہے۔ کہ اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزاریں۔ جس طرح انسانوں میں نیک اور بد ہیں۔ اسی طرح جناتوں میں اچھے اور برے دونوں ہیں۔ لیکن شیطان مردود اور ابلیس یہ سب ایک ہی قسم کے بدکار ظالم اور نافرمان اور

سرکش ہیں۔ان میں کوئی بھی اچھا نہیں ہوتا۔ان کے لئے دوزخ کی آگ رکھی گئی ہے۔
حضور اکرم ﷺ نے جناتوں کو دین سکھایا اور نماز کا طریقہ بتایا۔اور جتنے احکامات انسانوں کے لئے ہیں۔اتنے ہی جناتوں کے لئے ہیں۔جناتوں نے سوال کیا کہ ہم لوگ نماز کہاں پڑھیں؟ انسانوں کی دنیا میں اگر چہ ہم لوگ رہتے ہیں۔مگر ہم انھیں نظر نہیں آتے۔آپؐ نے فرمایا کہ انسانوں کی بنائی ہوئی۔مسجدوں میں جا کر نماز پڑھیں گے۔اس کے لئے رات کا وقت آپ کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔عشاء کے بعد فجر کی اذان تک آپ کا وقت مقرر ہے۔اور انسانوں سے کہا گیا ہے۔کہ جب تم عشاء کی نماز پڑھ لو تو اپنے گھروں میں بند ہو کر آرام کرو۔اور رات کے تین پہر تک نہ تمہارے لئے کوئی نماز ہے اور نہ کوئی تلاوت ہے۔تیسرے پہر اٹھو۔تو تہجد اپنے گھر میں پڑھو۔اور فجر کی نماز اپنی مسجد میں جا کر پڑھو۔حضور اکرم ﷺ نے زندگی بھر اسی پر عمل کیا اور اپنے صحابہ اکرامؓ سے عمل کرایا۔اور مسلمانوں کو حکم دیا۔کہ رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرو اور ان کی سنت پر عمل کرو۔اور اپنی طرف سے کوئی نئی چیز شامل نہیں کرو۔غذا کے متعلق جنوں نے سوال کیا؟ ہمارا توشہ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ سب کا رازق ہے۔اور تمہارا رزق آسمانوں سے زمین پر اتار دیا گیا ہے۔تمہاری غذا انسانوں کی غذا سے مختلف ہوگی۔قرآن کریم میں سورۃ نمبر ۵۵ الرحمٰن میں جنوں اور انسانوں دونوں کو ملا کر مخاطب کیا گیا ہے۔یا معشر الجن والانس کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے چونکہ دونوں کی غذائیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔اس لئے جنت میں بھی غذائیں نیک متقی لوگوں اور جنوں کو الگ الگ دی جائیں گی۔اس کا ذکر آیت ۶۲ سورۃ الرحمٰن میں فرمایا۔من دونہما جنتان۔یعنی دونوں کی جنتیں الگ الگ ہوں گیں۔اس لئے کے دونوں کی غذا الگ الگ ہیں۔لیکن دوزخ سب کے لئے ایک ہوگی۔اس میں جنات وانسان وشیطان سب

ایک ساتھ شریک ہونگے۔ مکہ سے قریب وادی النمل ہے اس کا ذکر قرآن کی سورۃ ۲۷ میں آیا ہے حضرت سلیمانؑ جب اس وادی سے گزر رہے تھے۔ تو انھوں نے چونٹیوں کی ایک لمبی قطار دیکھی جس کی سردار ایک مادہ چونٹی تھی۔ جو اپنی فوج سے باتیں کر رہی تھی۔ حضرت سلیمانؑ چونٹیوں کی گفتگو کا علم جانتے تھے۔ وہ اس کے قریب گئے اس کو زمین سے اٹھا کر اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا اور اس سے پوچھا کہ تیری عقل زیادہ ہے یا سلیمان کی؟ چونٹی نے کہا! کہ میری عقل بڑی ہے۔ سلیمانؑ بولے وہ کس طرح؟ چونٹی نے کہا کہ سلیمان کے پاؤں زمین کے اوپر ہیں اور میرے پاؤں سلیمانؑ کے ہاتھ کی ہتھیلی پر ہیں۔ اور تم خود غور کرو کہ ہم دونوں میں کون بڑا ہے۔ سلیمانؑ کو چونٹی اپنی وادی میں لے گئی اور اپنے کارنامے دکھائے اور کہا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ دن بھر محنت کر کے حلال طیب روزی کما کر کھاؤ۔ قرآن نے سورۃ نمبر ۲۹ العنکبوت میں مکڑی کی مثال دی ہے۔ کہ یہ مفت میں لوگوں کا مال دھوکے اور فریب سے کھاتی ہے۔ اس کے لئے اپنی مکر کا جال بنتی ہے۔ جو بھی اس کی حدود کی عمل داری میں آ کر پھنس جاتا ہے۔ ان کے مال کاروبار محنت اور نفع میں شریک ہوجاتی ہے اور اپنا حق جتاتی ہے۔ اس وجہ سے اس کے اندر غرور اور تکبر آ جاتا ہے۔ اس سے منع کیا گیا ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ مکڑی کے انجام کا حال بھی اس سورۃ میں بتا دیا گیا ہے۔

ہفتہ ۲۱ دسمبر ہمارا مکّہ میں آخری دن تھا۔ خیال ہوا کہ ایک سیر غارِ ثور اور غارِ حرا اور جنتِ مالا کی کرلیں۔ اس خیال سے ہم نے مکّہ کے باہر ٹیکسی والوں سے بات کی۔ انھوں نے فی سواری ۱۰ ریال آدھے گھنٹے کے لئے طلب کیے۔ ان کا انداز گفتگو اور طریقہ واردات دیکھ کر ہمت نہیں ہوئی۔ کہ ہم کسی ٹیکسی والے سے کوئی اور بات کریں۔ ہم مصر سے ٹیکسی والوں سے بات چیت

کرتے آئے تھے۔ اور وہ بھی مسلمان تھے اور ہم سیاح تھے۔ مکّہ کے سعودی مغرور مسلمان اور ہم مسافر زائرین مکّہ اور ہمارے ساتھ ان کا رویہ ایسا تھا۔ کہ ہم نے ہوٹل واپس آنا غنیمت سمجھا۔ بچوں نے کچھ دینی کتابیں خریدیں۔ اور ہم نے ارض القرآن کی سات جلدیں جو عربی میں تھیں۔ وہ ہم نے خریدیں۔ جو قیمت ہم نے مکّہ میں سعودی ریال میں ادا کی تھی۔ اُنہی کتابوں کی قیمت اسلام آباد کی دوکان پر اس سے کہیں کم تھی۔ دوسرا دن اتوار کا تھا۔ ہم فجر کی نماز کے بعد طواف الوداع کے لئے پہونچے۔ اور اس کے بعد زم زم بھروایا۔ اور ہوٹل آئے۔ ہوٹل کے استقبالئے پر چیک آؤٹ کرایا۔ اور بل ادا کرکے ٹیکسی لی۔ اور مکّہ کے ائیر پورٹ پہونچے۔ اور ہمارا سفر مدینہ منورہ کے ائیر پورٹ کی طرف تھا۔ جو مشکل سے ایک گھنٹے کا ہوگا۔

مکہ سے مدینہ کا سفر

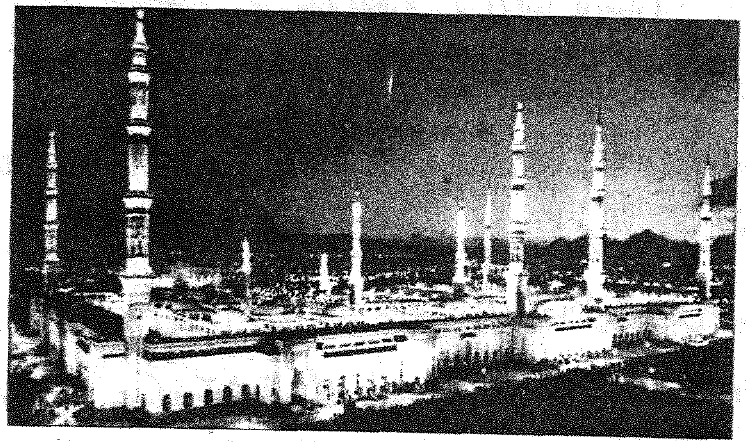

مدینہ کے راستہ پر ہم محوِ پرواز تھے۔ تو ہمارے دل میں مکہ سے دور ہونے کی جو کیفیت تھی۔ اس حالت کا ہم کو حضور اکرم ﷺ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کا وہ دن یاد آ گیا۔ جب آپؐ اپنے گھر سے سورۃ نمبر ۳۶ یسین کی ابتدائی ایات پڑھتے ہوئے نکلے تھے۔ اور دشمنانِ اسلام رات بھر آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ آپ کو وہاں سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھ سکے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ آپ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر پہونچے۔ جو آپ کی تیز رفتار اونٹنی کی نکیل لیے آپؐ کے منتظر تھے۔ صبح ہوتے ہوتے جب کفارِ قریش کو آپؐ کے نکل جانے کی خبر ملی۔ تو وہ آپؐ کے تعقب میں نکلے۔ آپؐ اپنے یارِ غار کے ساتھ ایک دن ایک رات غار میں بیٹھے رہے۔ اور پھر دوسرے دن وہاں سے نکلے۔ راستہ بدلا اور بحر احمر کے کنارے چکر لگا کر جا رہے تھے۔ تو آپ

کے دل کے اندر جو کیفیت تھی۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے جان لیا۔ اور قرآن کی آیات نازل فرمائی سورۃ نمبر ۲۷ القصص کی آیت ۸۵ میں ڈھارس بندھائی اور فرمایا۔ اے! حبیب تمہارے دل کی جو کیفیت ہے وہ ہم جان رہے ہیں۔ اور ہمارا تم سے وعدہ ہے۔ ہم تم کو بہت جلد تمہارے وطنِ مکّہ کو جس کے چھوٹنے کا تمہیں غم ہے۔ بہت جلد تم کو لوٹا دیں گے۔ (لرادوک الیٰ معاد)

چھ دن کے سفر کے بعد جب یہ دو مسافر قبا کے مقام پر پہونچے۔ تو شام ہو چکی تھی۔ مقامی لوگوں نے جو قومِ تبّع کے نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اور کہا کہ ہمارے خاندان کی روایت قدیم کہ مطابق ایک کمسن بچے کے گلے میں ایک چمڑے کی تعویز پڑی رہتی ہے۔ جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور یہ کہا گیا تھا کہ انجیل مقدس میں حضرت احمد۔ محمد کی خبر ہے۔ کہ وہ مکّہ میں آئے گا اور جب وہ آئے تو اس وقت یہ تعویز اتار کر اور کھول کر پڑھ لینا۔ ان لوگوں نے آپ کی مہمانی کی اور حضرت مصعب بن عمیرؓ مکّہ کا خوبصورت نوجوان جو مسلمان ہو چکا تھا۔ اس کو حضور اکرمؐ نے بہت پہلے مدینے بھیج دیا تھا۔ تا کہ وہ انصار کو دین سکھائیں۔ ان کو جب آپؐ کے آمد کی خبر ملی تو وہ چلے آئے رات قیام کیا۔ اور صبح یہ تین اونٹ سوار قبا سے مدینے کی طرف چلے۔ جس جگہ قبا میں آپؐ نے قیام کیا تھا۔ بعد میں اس جگہ ایک یادگار مسجد بنادی گئی ہے۔ جو مسجدِ قبا کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ ابھی ہم جہاز ہی میں تھے۔ تو یاد آیا کہ مدینے کی پہاڑیوں میں ایک مقام ابوا بھی ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے! کہ حضور اکرم کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہؓ چار سال کی عمر کے لختِ جگر محمدؐ ابنِ عبداللہ کو اپنے ساتھ لے کر شہر طائف اپنے میکے جا رہی تھیں۔ تو بیمار ہوئیں اور راستے ہی میں انتقال فرمایا۔ اور یہی مقام ان کا مدفن بھی ہے۔

ان ہی یادوں کے ساتھ ہم مدینہ ائیر پورٹ پر اترے۔ ہلٹن مدینہ کی طرف سے ڈرائیور ہمارے نام کی تختی لئے ائیر پورٹ کے باہر کھڑا تھا۔ اور ہم بارہ بجے سے پہلے ہوٹل آئے اور آرام کیا۔ ظہر کی اذان پر ہم تیار ہو گئے۔ ہمارے ہوٹل سے مسجد نبوی کا صدر دروازہ دس قدم کے فاصلہ پر تھا۔ مکہ سے جب ہم چلے تھے۔ تو ہماری زبان اور دل پر لا الٰہ الا اللہ کا ورد تھا۔ اور وہاں سے ہم پانچ نعمتیں باندھ کر اپنے ساتھ لائے تھے۔ ذکر، فکر، توکل، صبر اور قناعت اور یہی پانچ چیزیں مومن کی دولت ہیں۔ اور اللہ ہم کو یہ توفیق دے کہ ہم اس پر کاربند رہیں۔

مسجد نبوی کا منظر ہی کچھ اور ہے۔ اس کے چالیس دروازے ہیں۔ اور ہر دروازہ پر پانچ پانچ پہرہ دار۔ ہاتھوں میں وائرلیس لیے ہوئے آپس میں رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ محبوب "رب البیت کا گھر ہے۔ جنھیں ساری دنیا کے لئے رحمت للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دونوں جہاں کا سردار اس گنبدِ خضرا کے نیچے آرام فرما رہا ہے۔ اس کے فرش سے عرش کی بلندی تک رحمتوں کا نزول براہِ راست قائم ہے۔ اور قیامت تک یہ فیوض و برکات جاری رہینگے۔ عشق رسولؐ کے پروانوں کا یہاں انداز ہی کچھ اور ہے۔ مسجدِ نبویؐ کے در و دیوار سے محبت، شفقت، رحمت، برکت، عفو و درگزر ٹپکتی ہے۔ یہاں وہ ہیبت جلال و جبروت نہیں ہے۔ جو مکہ پر ہم پر طاری ہوئی تھی۔ درِ نبویؐ میں جب ہم داخل ہوئے۔ تو عورتیں الگ ہو گئیں۔ ظہر کی اذان ہو رہی تھی۔ اور لوگ اپنی اپنی نمازوں میں مصروف تھے۔ امام مدینہ منورہ اپنی شانِ بے نیازی کے ساتھ سیاہ عبا میں ملبوس نمودار ہوئے۔ سعو! کی آواز گونجی اور سب لوگ باجماعت کھڑے ہو گئے۔ جوں ہی نماز ختم ہوئی عشق کے پروانے دیدارِ محبوبؐ کے لئے بے چین قطار میں کھڑے ہو گئے۔ اب باری باری ہر ایک مواجہ شریف میں سنہری جالیوں کے اوٹ میں سلسلہ بلسلہ گزر رہا تھا۔ اور شرطے لوگوں کو

آگے بڑھاتے جا رہے تھے۔ ہم بھی قطار میں کھڑے تھے۔ جونہی ہماری نظر جالی کے اوپر پڑی سورۃ نمبر ۴۹ الحجرات پر پڑی۔ اس کے معنی یہ تھے۔ خبردار! یہ بڑے ادب کا مقام ہے۔ خاموش رہو۔ اپنی آواز کو دھیمی رکھو۔ اور نظروں کو نیچا رکھو۔ دبے پاؤں آؤ۔ خبردار! ہوشیار باش! یہ روزہ رسول ﷺ ہے۔ کوئی معمولی جگہ نہیں ہے۔ خیال رہے۔ ذرا سی لغزش اور تھوڑی سی بھول کہیں تمہاری زندگی کے اعمال کو کہیں اکارت نہ کردے۔ اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔ ہمارا دل لرز گیا ہمت نہیں ہوتی تھی۔ کہ آگے بڑھیں۔ اور ماحول کا تقاضا یہ تھا۔ کہ وہاں سے جلد سے جلد گزر جائیں۔ دل کی حسرت دل ہی میں رہی اور دیدار کی خواہش بڑھتی گئی۔ اور جس جگہ سے گزر کر ہم باہر آئے۔ وہ جگہ خروج کا عام راستہ بنا دیا گیا ہے۔ پہلے کبھی یہاں باب جبرائیلؑ تھا۔

حضرت جبرائیلؑ عرش سے جب کوئی نیا پیغام وحی لاتے تو اسی راستے سے داخل ہوتے اور اسی راستے پر بڑے ادب سے حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے۔ اور اسی گوشہ میں بیٹھ کر اللہ کی وحی پہنچاتے۔ یہ جگہ گوشۂ رسول مشہور تھی۔ یہ حجرہ جس کی دیوار سے آپ ٹیک لگائے بیٹھے رہتے تھے۔ یہ حضرت ایوب انصاریؓ کا مکان تھا۔ نیچے وہ رہتے تھے۔ اور اوپر رسول اکرم کو جگہ دی گئی تھی۔ یہی مبارک اور مسعود حضرت ایوب انصاریؓ کا مکان ہے۔ جہاں حضور اکرم کی اونٹنی ہجرت کے دن مدینہ آمد پر اسی گھر کے آگے بیٹھ گئی تھی۔ اور یہی جگہ آپ کا قیام مدینہ تھا۔ خلافتِ عثمانیہؓ کے عہد میں ترکوں نے حضورؐ کے ایک ایک آثار اور ورثہ کی حفاظت کی تھی۔ تاکہ آنے والی دنیا کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر پھر سے ایک بار تازہ ہو جائے۔ جو ہجرتِ مدینہ کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ یہ شعائرِ رسول اکرمؐ ہے۔ کعبۃ اللہ میں شعائرِ اللہ ہیں۔ اور یہاں ان قدیم آثار کی ضرورت تھی۔

ہم دوسرے دروازہ سے دوبارہ مسجدِ نبویؐ میں داخل ہوئے۔ ہماری عورتوں کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ ان کے لئے وقت مقرر کردیا گیا ہے۔ جو صبح ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک اور دوپہر ۲ بجے سے ۳ بجے تک مقرر ہے۔ قرآن کی سورۃ نمبر ۵۸ مجادلہ میں معصیتِ رسول سے ڈرایا گیا ہے۔ ذرا سی بے ادبی تھوڑی سے غلطی احترام رسول اللہؐ میں برداشت نہیں ہوگی۔ یہاں لاپروائی نہ برتیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کو ذرا سا بھی دکھ نہ دو۔ اور نہ اپنے کسی عمل سے ناراض کرو۔ یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے بہت پیارے رسولؐ ہیں۔ اس کے بعد کی دوسری سورۃ ۵۹ الحشر کی آیات نمبر ۴ میں فرمایا۔ ومن یشاق اللہ والرسول اس کے معنی ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی ذرا سی بھی مخالفت اور اس کے احکامات وسنت کی عدول حکمی برداشت نہیں کی جائیگی۔ اللہ بہت سخت انتقام لینے والا ہے۔ خبردار! ہوجاؤ اور جان لو کہ تم کہاں اور کس کے سامنے کھڑے ہو۔

جب ہم دوسرے دروازہ سے داخل ہوئے تھے۔ وہ بابِ عثمان کہلاتا ہے۔ یہ نام ترکوں نے رکھا تھا۔ یہاں حضرت عثمانؓ خلیفہ سوم ذوالنورین کا مکان تھا۔ اس کے ساتھ لگا اصحاب صفہ کا چبوترہ ہے۔ جو صحابہ رسول اللہؐ کے ساتھ پہلی ہجرت میں اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے تھے۔ وہ مسجدِ نبوی کے سامنے یہاں بیٹھے رہتے تھے۔ ان کے جسم پر نہ کپڑا تھا۔ اور نہ کوئی چادر بھوکے پیاسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں چلے آئے تھے۔ توکل، صبر وقناعت کا مکمل نمونہ تھے۔ یہ کوئی معمولی لوگ نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سورۃ نمبر ۵۹ آیات ۸، ۹ میں ان کی تعریف کی ہے۔ ان میں حضرت ابو ہریرہ بھی شامل ہیں۔ جن سے حضورؐ کی بہت سی احادیث کے حوالے آئے ہیں۔ اس جگہ کی بڑی فضیلت ہے۔ جو لوگ اپنی زندگی میں صبر، توکل اور قناعت پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں۔ ان کو چاہیے کہ یہاں دو رکعت نفل ادا کرکے اللہ سے دعا کریں۔ اور

جو دعا یہاں مانگو گے قبول ہوگی۔ پہلے ان کی تعداد دو چار تھی۔ پھر بڑھتے بڑھتے یہ ستر تک پہونچی۔ یہ اصحابہ صفہ جن سے صوفیا کرام کا سلسلہ چلتا ہے۔ ان کا بڑا مقام ہے۔ حضور اکرم کو جو بھی وحی پہلے نازل ہوتی۔ آپ مسجد نبوی کے دروازہ پر بیٹھے اصحاب کو سناتے اور اس کا مطلب بتاتے۔ اور وہ وہاں آنے جانے والوں کو سنایا کرتے تھے۔ مسجد نبوی کی دیواروں اور چھت پر جگہ جگہ وہ قرآنی آیات جو مدینہ میں نازل ہوئیں۔ وہ دیواروں پر رنگین منقش لکھی گئی ہیں۔ اگر آپ ریاض الجنہ میں بیٹھ کر کلام مجید کی تلاوت کریں۔ اور ان میں غور وفکر کریں اور اپنی نظر اٹھا کر چھت پر دیکھیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ یہ نزول وحی آیات قرآن خود آپ کے اپنے اوپر نازل ہو رہی ہیں۔ اور ایک انجانا خوف ایسا طاری ہوگا۔ جس سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ قرآن قلب اطہر پر نازل ہوا تھا۔ اور اس کی ایک ایک آیات اور ایک ایک حروف پڑھنے والے کے دل پر اثر کرتی ہے۔ اور قرآن پڑھنے والا راست اپنے آقا سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے۔ جہاں بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔

لوح بھی تو۔ قلم بھی تو۔ تیرا وجود الکتاب۔

ہم وہاں عصر، مغرب و عشاء تک بیٹھے رہے۔ اور ایک عجیب سرور وکیف دل پر طاری تھا۔ تاریخ اسلام کے وہ چھپے گوشے جو سیرت النبی کی ذات اقدس سے نمایاں تھے۔ وہ ایک ایک کرکے ذہن میں آنے لگے۔ اور ہم بیٹھے وہاں تھے۔ اور کسی اور دنیا میں گم تھے۔ عشاء کے بعد ہم ہوٹل آئے اور آرام کیا۔

دوسرے دن ہم تہجد کے وقت اٹھے۔ ہمارا خیال تھا۔ کہ مسجد نبویؐ سے تہجد کے وقت اذان کی آواز آئے گی۔ تو مسجد جائیں گے۔ مسجد نبوی کی نئی تعمیر کے بعد یہ سلسلہ بھی بند کردیا گیا

ہے۔صرف فجر کی اذان کے بعد اس کے دروازہ کھولے جاتے ہیں۔قدیم زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا تھا۔کہ رات کے تیسرے پہر ڈھائی بجے تہجد کی اذان ہوتی تھی۔اللہ سے محبت کرنے اور اس کو راضی رکھنے والے بہت سے باب عثمانؓ کے دروازے پر جمع ہو جاتے تھے۔اور دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے۔جوں ہی دروازہ کھلتا سب دوڑ کر ریاض الجنۃ میں جا کر اپنی تہجد کی نمازیں شروع کردیتے تھے۔اس جگہ کی یہ فضیلت ہے۔کہ یہ ابتدائی مسجد نبوی کا حصہ ہے۔جب یہاں اس دنیا میں اس زمین کی پہلی مسجد تعمیر ہوئی۔تو اس کی لمبائی وچوڑائی اس قدر ہی تھی۔اور حضرت جبرائیلؑ نے حضور اکرم کو بتایا کہ زمین کا یہ پورا ٹکڑا روزِ قیامت جنت میں اوپر لے جایا جائے گا۔اور جنت کا حصہ بنے گا۔اس جگہ جو شخص بھی تہجد کے وقت قبضہ جماتا تھا۔فجر کے بعد اس کو خالی کرتا تھا۔اور جو لوگ یہاں روز آیا کرتے تھے۔ان میں زیادہ تر نیک متقی بزرگان دین،صوفی،سالک مجذوب اور قطب ابدال ہوتے تھے۔اور کچھ تو یہاں سے اٹھ کر دروازوں پر جوتوں کے پاس چلے جاتے۔اور جو نمازی مسجد سے باہر نکلتے ان کو جوتے پہناتے تھے۔اس طرح گمنام بہت سے اللہ والے اپنے اپنے رنگ میں وہاں نظر آتے تھے۔صرف دیکھنے والی آنکھ اور طلب رکھنے والے اگر آج بھی کوئی موجود ہوں تو ایسی بہت سی ہستیاں وہاں موجود ملیں گیں۔جن سے آپ روحانی فیض حاصل کرسکتے ہیں۔نصیب اپنا اپنا۔اس زمانے میں جو روحانی ماحول تھا۔اب وہ نظر نہیں آتا۔

فجر کی نماز کے بعد ہم حجرہ حضرت بی بی فاطمہؓ کے سامنے صفہ کے چبوترے پر بیٹھے ڈھونڈ رہے تھے۔کہ یہاں وہ کنواں! جس سے حضرت بی بی فاطمہؓ خاتون جنت روزانہ اپنے گھر کا پانی اپنے ہاتھوں سے ڈول سے کھینچ کر نکالتی تھیں وہ کہاں گیا؟ ترکوں نے اپنے عہد خلافت میں اس خشک کنویں کو بند کرکے صحن کے فرش سے تین فٹ اونچا ایک نشان بنا کر اس پر دھوپ گھڑی رکھ

دی تھی۔ جو سورج کا سایہ گھٹنے اور بڑھنے سے وقت بتاتی تھی، جن لوگوں نے مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے یہ جگہ دیکھی تھی۔ اس جگہ اب صرف چھتری کا اسٹینڈ کھڑا ہے۔ ان کنویں کی اہمیت اور فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ ۹۲ والضحیٰ کی آیات ۴ میں آیا ہے۔ جس میں حضور اکرمؐ کی خدمات کی تعریف کی گئی ہے۔ اور فرمایا گیا ہے۔ کہ اے! میرے حبیب اللہ تمہارے کام سے خوش اور راضی ہوا۔ اور اس کے بدلے تم کو ایک ایسا تحفہ عطا کرنے والا ہے۔ جس کو تم پا کر خوش ہو جاؤ گے۔ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اس کی اگلی سورۃ نمبر ۱۰۸ الکوثر میں پورا کر دیا۔ یہ انعام حوضِ کوثر کا اللہ کے رسولؐ اور ان کی اہل بیت کے لئے ہے۔ محشر کے دن مسجد نبویؐ سے حضرت بی بی فاطمہؓ کے خشک بند کنوے سے حوضِ کوثر اُبلے گا۔ اور اس سے جنت کے پیاسے لوگ اپنی اپنی پیاس بجھائیں گے۔ حضور اکرمؐ ایک دن نماز فجر کے بعد ممبر رسولؐ پر بیٹھے خطبہ دے رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ کہ میرے صحابہ اور میری سنت پر عمل کرنے والے روزِ محشر مجھ سے حوضِ کوثر پر آ کر ملیں گیں۔ اور وہ حوضِ کوثر میں یہاں بیٹھا ہوا اپنی آنکھوں سے اب بھی دیکھ رہا ہوں۔ اللہ کے رسول آخر حضور اکرمؐ کے لیے یہ اعزاز امتِ مسلمہ کے لیے اسکا جواب ہے۔ جو امام الانبیاء حضرت ابراھیمؑ کے فرزند معمارِ حرم حضرت اسماعیلؑ کے لیے زم زم کا کنواں انعام میں دیا گیا تھا۔ جو ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے رہتی دنیا تک ان کی پیاس بجھاتا رہے گا۔ اور قیامت کے قریب جب یہ کنواں خشک ہو جائے گا اور کوئی باقی نہیں رہے گا۔ تو نیک متقی لوگوں کے لئے مدینہ منورہ سے یہ حوضِ کوثر کنویں بی بی فاطمہؓ سے جاری ہو جائیگا۔

مسجد نبویؐ کے موجودہ حدودِ اربعہ میں وہ تمام مقدس مقامات گھیرے میں آ چکے ہیں۔ جو کبھی جلیل القدر صحابہ مہاجر و انصار اور خلفاء راشدین کے گھر اور ان کے باغات تھے۔ اور وہ

مقامات جہاں حضورؐ روزانہ چلتے پھرتے لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ وہ سب اس میں آ گئے ہیں۔
ایک زمانے میں جب کے مدینہ منورہ بہت چھوٹا سا تھا۔ اور مقدس مقامات اس کے اطراف پھیلے ہوئے تھے۔ تو حضرت بشر حافیؒ بغداد سے جب کبھی مدینہ آتے۔ تو ان کے متعلق مشہور تھا۔ کہ وہ یہاں ادب و احترام کی خاطر اپنے جوتے اتار کر ننگے پاؤں چلتے تھے۔ کہ یہ جگہ رسول اکرمؐ کی وجہ سے مقدس و محترم ہے۔ ذرا سی لغزش و بے ادبی اس جگہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تھی۔ کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ حضرت بشر حافیؒ کا یہ ادب و احترام اللہ کو بہت پسند آیا تھا۔ وہ بغداد کے رہنے والے تھے اور شہر بغداد میں کسی گھوڑے یا گدھے کی مجال نہیں تھی۔ کہ وہ سڑکوں پر لید کرے۔ سڑکیں صاف ستھری ہوتی تھیں۔ کہ یہاں سڑکوں پر حضرت حافیؒ چلتے پھرتے تھے۔ ایک دن گھوڑا گاڑی بان بغداد میں اپنی گاڑی میں بیٹھے اعلان کر رہا تھا۔ کہ لوگو! سنو! آج بشر حافیؒ کا انتقال ہو گیا ہے اور اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ راستہ چلنے والے اس کے پاس جمع ہوئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ یہ خبر تجھے کہاں سے ملی۔ اس نے کہا کہ آج میرے گھوڑے نے کھڑے سڑک پر لید کر دی ہے۔ اور یہ ثبوت میرے لئے کافی ہے۔ یہ سب روحانی باتیں ہیں اور کرامات ہیں۔ آج کی دنیا اس کو کیا جانیں۔ جو کسی کی عقل میں نہیں آتیں۔

مدینہ منورہ سے قریب تین میل کے فاصلے پر وہ میدان ہے۔ جس کی اونچائی پر ہجرت کے پہلے ہی سال بدر کی لڑائی ہوئی تھی۔ کفارِ مکہ کو یہ پسند نہیں آیا تھا۔ کہ رسول اکرمؐ ان کے ہاتھ سے بچ کر صحیح سلامت کیسے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور ان کے ساتھ بہت سے نوجوان اور ان کے غلام جو ان کے ملازم تھے چھوٹے موٹے کام کیا کرتے تھے وہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ چلے گئے تھے۔ اگرچہ یہ ان کے خاندان والے اور قریبی رشتے دار تھے۔ ان کے بچھڑنے کا ان کو بھی

دکھ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اسلام کا نام ونشان تک مٹا دیں۔ بڑے بڑے جنگجو سرداروں اور قبیلوں کے ساتھ وہ مدینے پر حملہ آور ہوئے تھے۔ قرآن مجید نے اس کو سورۃ نمبر ۸ انفال میں حق وباطل کا معرکہ کہا ہے۔ یہ فیصلے کا دن! جس میں حق ہمیشہ قائم رہے گا اور جیتے گا اور جھوٹا غارت ہوگا اور بھاگ جائے گا۔ یہ قدرت کا فیصلہ ہے۔ جو اس دنیا میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ مکہ کی تیرہ سالہ نبوت کی نظری تعلیم تھی۔ قرآن جس میں مکی آیات نازل ہوئیں۔ اس میں صرف صبر وتحمل برداشت و تقویٰ کی تعلیم دی گئی تھی۔ لیکن ہجرت کے بعد سب سے پہلا حکم یہ آیا۔ کہ صبر وتحمل و برداشت اب ناقابلِ برداشت ہے۔ ظالم کا ہاتھ روک لو اور اپنی مدافعت میں ہاتھ میں تلوار لے لو۔ ان سے لڑو جنھوں نے تمہیں اپنے گھروں سے نکالا۔ تمہارے مال ومویشی پر قبضہ کیا۔ تمہیں ان سے بدلہ لینے کا پورا حق دیا جاتا ہے۔ مارو اور مرو! حق کے لئے اللہ کی راہ میں جو مرینگے انھیں مردہ نا سمجھو۔ وہ شہید ہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہینگے اور اس دنیا میں ان کو رزق ملتا رہے گا۔ جنگِ بدر مسلمانوں کا پہلا تربیتی عملی اسکول تھا۔ جس میں اللہ نے انھیں کامیابی عطا فرمائی۔ اور سرخرو کیا۔ اور بہت سا مال و اسباب گھوڑے۔ اونٹ لڑائی کا سامان جو وہ چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگے مالِ غنیمت کے طور پر غریب مہاجرین میں تقسیم ہوا۔ اس سے مہاجروں کی کچھ حالت بہتر ہوئی یہ اللہ کا فیصلہ تھا۔

کفار کے بڑے بڑے سردار اور بڑے بڑے لڑنے والے اس میں مارے گئے۔ دشمن اسلام ابوجہل اس لڑائی میں مارا گیا۔ اور ان کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس شکست کا بدلا لینے کے لئے وہ بے چین تھے۔ اور ہجرت کے دوسرے سال ہی وہ بہت بڑے حلیف قبائل کی مدد کے ساتھ دوبارہ مدینے پر حملہ آور ہوئے۔ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر احد کے نام سے پہاڑی کا طویل سلسلہ آج بھی قائم ہے۔ حضور اکرمؐ نے صحابہ اکرامؓ سے مشورہ کیا! کہ احد کی پہاڑی پر چڑھ کر

اپنے مورچے بنائیں۔ اور اوپر سے دشمن کی نقل و حرکت کو نظر میں رکھیں۔ اس معرکہ میں مدینے کے یہودی سردار عبداللہ بن اوبیؓ جو منافقین کا سردار تھا۔ زبان سے یہ کہتا تھا۔

کہ ہم اسلام کے پیرو ہیں اور مسلمانوں کے دوست ہیں۔ اور دل میں اسلام کے خلاف سازشیں سوچتا تھا۔ اور اسلام کو ذلیل کرتا رہا تھا۔ وہ بھی دکھاوے کی خاطر اس جنگ میں شریک ہو گیا تھا۔ پہلی جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی۔ جب کہ دشمن ایک ہزار سے زیادہ تھا۔ اور ان کے پاس نہ گھوڑے تھے۔ اور نہ اونٹ اور نہ زرہِ بکتر۔ اس کے باوجود اللہ نے انھیں کامیابی دی تھی۔ ان کا تقوی ان کا صبر و تحمل اور اللہ پر بھروسہ ایمان کی استقامت اور رسول اکرمؐ کے احکامات کی پوری پوری تابعداری کی وجہ سے ان کو کامیابی ملی تھی۔ لیکن جنگ احد میں یہ کچھ نہیں تھا۔ ان کے پاس کافی تعداد تھی سیکڑوں آدمی تھے۔ کافی ہتھیار، گھوڑے اور خیمے تھے۔ مالِ غنیمت کی وجہ سے ان میں خوش حالی آ گئی تھی۔ مدینے کے یہودی ساہوکاروں سے سودی لین دین تھا۔ تجارت میں ترقی ہوئی تھی۔ دولت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ دوسری تربیتی اسکول احد کا ناکام ہوا۔ رسول اکرمؐ کے حکم خلاف انھوں نے پہاڑی کا مورچہ خالی چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے اور دنیا کی حرص، لالچ اور طلب میں رسول اکرمؐ کے احکامات کو بھول گئے تھے۔ دشمن ان کے اوپر چڑھ آیا اور پہاڑی سے تیر برسانے لگا۔ مسلمانوں نے جیتی ہوئی جنگ ہار دی۔ حضرت حمزہؓ حضور اکرمؐ کے چچا اور حضرت مصعب بن عمیر جن کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا۔ کافروں کے پشتے کے پشتے لگا رہے تھے شہید ہو گئے۔ حضور اکرمؐ کے بھی زخم آئے۔ ان کے علاوہ ستر صحابہ شہید ہو گئے اللہ کے رسولؐ بہت پریشان ہو گئے۔ اللہ تعالی نے دشمنوں کے دل میں ایسا خوف طاری کیا۔ کہ وہ میدان احد سے بھاگ گئے۔

ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کی تربیت کے لئے دو عملی اسکول ایسے بنیادی تعلیم کے ثابت ہوئے۔ جو اسلام کی تاریخ کے درخشاں باب کی علامت تھے۔ قرآن مجید میں سورۃ نمبر ۳ آل عمران میں جنگ احد کے مضمرات اور اسباب شکست کو گنایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ دنیا کا کوئی معرکہ حق و باطل کا اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتا۔ جب تک قرآنی تعلیمات کے اصول نظروں کے سامنے نہیں رکھیں۔ جنگ کے اصول اور کامیابی کی کنجی کا راز صرف اطیعو اللہ اور اطیعو رسول کے اندر ہے۔ اللہ کی اطاعت ہر قدم پر۔ ہر کام میں اللہ کی مدد۔ اللہ پر بھروسا رکھنا ہی اطیعو اللہ ہے۔ اللہ کے رسولؐ کی سنت پر عمل اور ان کی زندگی کی پیروی کا ہر وقت عمل اپنے سامنے رکھو۔ زندگی کا کوئی گوشہ اللہ کے رسول نے اپنی خانگی گھریلو زندگی اور اپنے باہر کی دنیاوی زندگی میں خالی نہیں چھوڑا۔ اس کی تقلید کرو۔ صحابہ رسول اکرمؐ نے وہی کچھ کیا۔ جو حضور اکرمؐ کو کرتے دیکھا تھا اور جو ان سے سیکھا تھا۔

اللہ تعالی کے رسولؐ نے اپنی پوری زندگی میں وہی کچھ کیا۔ جو اللہ کی مرضی اور اللہ کا حکم تھا۔ اپنی طرف سے اور اپنی پسند اور مرضی سے انھوں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ اطیعو اللہ ہے۔ مکہ کی زندگی میں ایک رات آپؐ اپنی چچازاد بہن ام ہانی کے گھر سو رہے تھے۔ حضرت جبرائیلؑ آئے اور نیند سے جگایا۔ اور باہر مکہ کے دروازہ پر لائے۔ وہاں آسمانی سواری براق موجود تھا۔ اس پر بٹھا کر آسمانوں کی طرف لے اڑے۔ اور منٹوں میں اللہ کے حضور پہونچا دیا۔ یہ واقعہ معراج کا قرآن کی سورۃ نمبر ۱۷ بنی اسرائیل میں آیا ہے۔ اس رات آپ کو حکم دیا گیا! کہ جو نمازیں آپؐ اکیلے دو، وقت صبح و شام پڑھ رہے تھے۔ اس کو پانچ وقت پھیلا دو اور اپنی امتِ مسلمہ کو پابند کرو کہ وہ بھی اپنی نمازوں کی پابندی وقت کے ساتھ جاری رکھیں۔ نماز کسی کو بھی معاف نہیں ہے۔ مرتے

دم تک اس کو پڑھتے رہنا ہے۔ اور یہ حکم سورۃ نمبر ۱۵ الحجر کی آخری آیات میں آیا ہے۔

یہ فرض عبادت نماز اور دوسرا حکم مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کا ہے۔ آپ نے اس پر عمل کرنے میں کوئی دیر نہیں لگائی۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہونچے تھے۔ تو انصارِ مدینہ کے ہر شخص کی یہ خواہش تھی۔ کہ آپ ان کے مہمان بنیں حضرت سعاد ابنِ عبادہؓ خزرج یہودی قبیلے کے سردار تھے۔ سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کی خواہش تھی۔ کہ اللہ کے رسولؐ ان کے گھر مہمان بن کر آئیں۔ وہ آگے بڑھے اور حضور کی اونٹنی کی نکیل اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا سعاد! اونٹنی کی نکیل چھوڑ دو۔ اونٹنی جہاں جا کر بیٹھ جائیگی۔ وہاں میں اترونگا میری کوئی مرضی نہیں چلے گی۔ صرف اللہ کی مرضی چلے گی۔ اونٹنی چلتے چلتے حضرت ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ اور یہی وہ پہلی اور آخری جگہ ہے۔ جہاں حضورؐ پہونچے اور رہے۔ اور ان کی ابدی آرام گاہ بھی ہے۔ اللہ کے رسولؐ حضرت ایوب انصاریؓ کے مہمان رہے اور ان کے گھر کے سامنے کی ویران جگہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی۔ آپ نے ان کو اپنے پاس بلایا۔ انھیں اس زمین کی قیمت دے کر خرید لیا اور سب سے پہلے صحابہ کیساتھ مٹی کا ایک چبوترہ بنوایا اور خشک کھجور کے تنے لا کر اس کے چار کونوں پر نصب کئے۔ اور کھجور کی لمبی لمبی پتوں والی شاخوں کو کاٹ کر اس کا چھپر بنایا۔ اور ہاتھوں سے مسجد کا فرش پھیلایا۔ اور پانچ وقت کی نماز کی حضور اکرمؐ نے ابتداء کی۔ اور اس زمین پر یہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد تھی۔ جو معراج کی رات حکم باری تعالی پر بنائی گئی تھی۔ اور یہی مسجد ریاض الجنۃ کے نام سے مشہور ہے۔ اللہ کے رسول نے جو کچھ بھی کام کیا۔ وہ اپنی مرضی اور پسند سے نہیں کیا۔ اس کے علاوہ جتنی جنگیں مدینہ میں کفار کے خلاف لڑی گئیں۔ وہ سب اللہ کے حکم کے مطابق لڑی گئیں۔ صلح حدیبیہ کے وقت کیا ہوا۔ تمام جلیل والقدر

صحابہ جو ساتھ تھے۔ ان کا اسرار تھا۔ کہ ہم کفارِ مکہ سے لڑیں گے۔ اور عمرہ کے نیت سے احرام باندھ کر قربانی کی نیت سے جانور ساتھ لائے ہیں۔ اور بغیر عمرہ کئے واپس نہیں جائیں گے۔ کفار سے دب کر ان کی شرائط پر صلح نہیں کریں گے۔ اللہ کا حکم اور اللہ کی مرضی یہ تھی۔ کہ صلح کر لیں۔ احرام کھول کر واپس چلے جائیں اللہ تعالی کے رسول کی مرضی بھی وہی تھی۔ جو اللہ کی مرضی تھی۔ آپؐ نے سب کی مخالفت اور ناراضگی کے باوجود سب سے پہلے اپنا احرام اتارا۔ اور اپنے سر کے بال اتار دیئے۔ اس وقت آپؐ کے ساتھ آپ کی زوجہ حضرت بی بی ام سلمہؓ اکیلے ان کی ہم خیال تھیں۔ وہ اپنے خیمے سے باہر آئیں اور صحابہ اکرام سے کہا کہ آپ سب بھی اپنا احرام اتار دیں۔ یہ واقعہ قرآن نے سورۃ نمبر ۴۸ الفتح میں اس خوبی سے بیان کیا ہے۔ کہ اس میں عنقریب آنے والی فتح مکہ کی خبر دی گئی تھی اور صحابہ اکرام کی عزم واستقامت دین اور حق پر ثابت قدمی کے صلہ میں ان کے لئے پانچ انعامات کا سورۃ کے ابتدائی آیات میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اور اس سورۃ پر اللہ نے اپنی ساری نعمتیں مکمل کر دیں۔ یہ ہے سنتِ رسولؐ اور اس کی پیروی اور ہمارے لئے اپنی آئندہ زندگی کے لئے یہ سبق ہے۔ کہ اگر اپنی زندگی میں اطاعتِ رسولؐ وسنتِ کی تقلید نہیں ہے تو ہمارے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

آج ہمارا مدینہ کا تیسرا دن تھا۔ فجر کے بعد ہم مسجد قبلتین کی طرف نکلے۔ یہ ایک تاریخی مسجد ہے۔ اور اطیعو اللہ کی بنیاد رکھتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ ایک دن اپنے صحابہ کے ساتھ ظہر کی نماز

ادا کر رہے تھے۔ پہلی رکعت پوری کرنے کے بعد جب آپ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے۔ تو قلب اطہر پر نزول وحی کی آیات اتریں۔ جو قرآن کے دوسرے پارے سیقول سے شروع ہوتی ہیں۔ اللہ کے رسولؐ نے حالت نماز میں اپنا رخ مشرق سے مغرب کی طرف پلٹ لیا اور صحابہ بھی آپ کی تقلید میں پلٹ گئے۔ جب نماز ختم ہوئی۔ تو صحابہ نے آپؐ سے پوچھا۔ کہ آج ہم نے ایک نئی تبدیلی دیکھی۔ آپؐ نے فرمایا مجھے حکم ملا! کہ اپنا رخ بیت المقدس جس کی طرف ہم اب تک اٹھارہ مہینے سے نماز پڑھتے آئے تھے اب اس کو بدل کر کعبۃ اللہ کی طرف پھیر دو۔ جو حضرت ابراھیمؑ کا قبلہ اول رہا ہے۔ صحابہ نے پوچھا؟ کہ حضور ہم سب نماز پوری کر لیتے اور دوسری نمازیں اس کے حکم کے مطابق ادا کرتے۔ آپؐ نے فرمایا! کہ اللہ کے حکم ماننے میں ذرا برابر بھی تاخیر معاف نہیں ہوگی۔ جب بھی اللہ کا حکم آئے۔ اسی وقت اس پر عمل ہو یہ اطاعت ہے۔ اگر ذرا بھی غفلت ولا پرواہی ہو۔ اور دیر ہو۔ تو یہ نافرمانی میں شامل ہوگی۔ اور یہ اللہ کو پسند نہیں۔ یاد رکھو! کہ جب بھی اللہ کا کوئی حکم ملے! اس پر فوراً عمل کرو۔ نماز کے لئے وقت کی پابندی ہے۔ اگر وقت گزرنے کے بعد نماز پڑھی جائے۔ تو وہ نافرمانی میں شامل ہوگا۔ وہ مسجد قبلتین دو الگ الگ قبلوں کے ساتھ آج بھی قائم ہے۔ اور یاد دلاتی ہے کہ اللہ کے حکم کو ماننے میں ذرا بھی دیر نہیں کی جائے۔ قرآنی آیات کا زیادہ تر حصہ مدینے میں نازل ہوا۔ اور اس میں دین کے قیام۔ امتِ مسلمہ کی تربیت، اور اسلامی معاشرہ کی تکمیل اور حکومتِ الٰہیہ کا قیام تھا۔ جس کو رسول اکرمؐ نے اپنی زندگی میں عمل کر کے عملی طور پر دیکھا دیا۔ اس میں دو باتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قرآن و سنت دوسرے معنی میں کتاب و حکمت کی تعلیم دی گئی ہے۔ ان سب کے معنی ایک ہیں۔ قرآن روز پڑھا کرو۔ پابندی کے ساتھ۔ تا کہ ہدایت اور نصیحت روز کانوں سے گزر کر دل

تک پہنچے۔ اور حافظے میں رہے۔ انسانی ارادہ اور ذہن اس کو عمل کرنے پر اکساتا رہتا ہے۔ زندگی قرآنی احکامات کے مطابق ہوگی۔ اس کا نمونہ رسول اکرم کی سنت پر عمل کرنے سے نظر آئے گا۔ دین اسلام قیامت تک مکمل کر دیا گیا ہے۔ اس میں اپنی مرضی سے اپنے علم و عقل اور اپنے اجتہادی فیصلہ سے کوئی نئی چیز اس میں داخل نہیں کرو۔ اس کی کہیں کوئی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔

وہ چند تھے۔ ننگے بدن، بھوکے، پیاسے، ان کے جسم پر چادریں بھی پھٹی پرانی تھیں۔ ان کی زندگی کا مقصد اللہ کے پیارے حبیب کا دیدار کرنا ہوتا تھا۔ اور جو آیاتِ قرآن نازل ہوتی تھیں۔ ان کو سننا اور یاد کرنا ہوتا تھا۔ اللہ تعالی نے ان کو رضی اللہ عنہ کے خطاب سے نوازا اور ان کی تعریف قرآن میں کی۔

وہ ۸۳ تھے جو اللہ کی راہ میں اللہ کے رسولؐ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے آئے تھے اور انھوں نے اُن کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ اپنا مال، مویشی، تجارت، کاروبار، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے جسم کے کپڑوں کے ساتھ چلے آئے تھے۔ باقی لوگ جو انصارِ مدینہ تھے۔ وہ ان کے ساتھ مل کر ۳۱۳ ہو گئے۔ جنگِ بدر میں ۱۳۰۰ کفار کے لشکر کے جنگجو سرداروں سے مقابلہ کیا تھا۔ اس وقت بے ساز و سامان تھے۔ صرف ایمان کی قوت اور اللہ کے توکل اور رسول اللہ کی اطاعت سے لڑے اور فتح پائی۔ اللہ نے انھیں سابقون ولالون کے خطاب سے نوازا۔ اور سورۃ نمبر ۳ آلِ عمران میں آیات ۱۹۳ سے ۱۹۶ تک ان کی تعریف کی۔ اور زندگی میں انھیں جنت کی خوش خبری سنائی۔ اور ان کے درجے بلند کئے۔ اور ان کے درجے ایسے بلند کئے۔ کہ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کو وہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا۔

وہ صرف تین تھے۔ حضرت کعب بن مالک ؓ ہلال بن امیہ ؓ ، مرارہ بن ربیع اللہ کے رسول ؑ کے پسندیدہ صحابہ۔ جو جہاد کے ہر معرکہ میں پیش پیش اور آزمائے ہوئے ساتھی تھے۔ یہ جانثار شمع رسالت کے پروانے ایک چھوٹی سی لاپرواہی اور ذراسی غفلت اور غلط اندازہ لگانے سے اللہ اور اس کے رسول کی عتاب میں آگئے۔ اس کا پورا حال سورۃ نمبر ۹ توبہ میں تفصیل سے آیا ہے۔

جنگِ تبوک کا موقع تھا۔ رومی فوجیں مدینے اور شام کی سرحد پر جمع ہو رہی تھیں۔ مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ وہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔ حضور اکرم ؐ نے صحابہ کے مشورہ سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ یہ تین صحابہ جو آپس میں گہرے دوست بھی تھے۔ یہ اپنی اپنی بیویوں کے ورغلانے میں آگئے۔ اور قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ کھجور کی فصل پک کر تیار ہو چکی تھی۔ بیویوں نے مشورہ دیا تھا۔ کہ ایک دن تاخیر کرلو اور کھجور کی فصل پہلے اتارلو۔ تمہاری اونٹنیاں بہت تیز رفتار ہیں۔ یہ ایک یا دو دن کی تاخیر کا فاصلہ بہت جلد پورا کردیں گیں۔ اس قدر سستی اور غفلت نے ان کو روک لیا۔ اور دو دن کی تاخیر سے میدانِ جنگ پر پہونچے تبوک اور شام کی سرحد پر جب رومی سپاہیوں کو اس کی خبر ہوئی۔ تو وہ وہاں سے نکل گئے۔ اور انھیں تبوک خالی ملا۔ دوسرے دن حضور اکرم ؐ جب وہاں سے واپس ہوئے تو دیکھا۔ کہ یہ تین صحابی تیز اونٹنیاں دوڑاتے ہوئے۔ آپ ؐ کی طرف آرہے ہیں۔ آپ ؐ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ صحابہ نے اُن کے نام بتائے۔ آپ ؐ خاموش رہے۔ جب وہ آپ ؐ کے سامنے آئے اور سلام کیا۔ آپ ؐ نے جواب دیئے۔ بغیر منہ مبارک دوسری طرف کرلیا۔ اس قدر ناراضگی کو اللہ تعالیٰ نے دیکھ لیا۔ اور اپنے پیارے حبیب ؐ کے ساتھ غصہ میں شریک ہوگیا۔ آسمانوں سے اسی وقت وحی آگئی۔ کہ ان تینوں نے اللہ کے رسول ؐ کے حکم کو ماننے میں سستی برتی ہے۔ اور اللہ کے حبیب کو اتنا ناراض کردیا۔

مالک تو مجھے ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔ اور میں اس کو کیا جواب دونگا۔ میں نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں خیانت کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے ساتھی سے جو یہ سب سن رہا تھا۔ ان سے کہا سن لی آپ نے اس چرواہے کی بات؟ اللہ کا ڈر خوف اور آخرت کی جواب دہی کا یقین اور ایمان بالغیب یہی وہ بات تھی۔ جو اللہ کا پیغام تھا اور یہی بات اللہ کے رسولؐ نے صحراء کے بچے بچے تک پہونچا دیا ہے۔ اب آپ کو جواب مل گیا ہوگا۔

مدینہ کے سفر کا آج ہمارا آخری دن تھا۔ نمازِ فجر کے بعد الوداعی دیدارِ رسول کے لئے پھر ایک بار قطار میں کھڑے ہوئے۔ بڑے ادب واحترام سے مواجہ شریف سے گزرے۔ ہم میں سے ہر ایک کی دل کی کیفیت الگ الگ احساس جدائی سے گذر رہی تھی۔ مسجد نبوی سے باہر آئے تو سامنے قریب ہی جنت البقیع کا منظر ہے۔ جو کبھی زمین دوز تھا۔ اور آج سیکڑوں ٹرک مٹی اس پر ڈالے اتنا اونچا بنا دیا گیا ہے۔ کہ اس تک پہونچنے کے لئے چالیس سے زیادہ وسیع وعریض سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا ہے۔ وہاں کھڑے شرطوں نے عورتوں کو اوپر جانے سے روک دیا۔ اور جو اوپر جانا چاہتی تھیں۔ وہ دس دس ریال ان کے ہاتھ پر رکھ دیتیں۔ تو وہ رخ پھیر کر انجان بن جاتے ہم نے ایسا نہیں کیا۔ اور مرد ہی اوپر چڑھ کر گئے۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ اور ایک بڑے سائن بورڈ پر کچھ ہدایتیں لکھیں گئیں تھی۔ جو حنفی مسلک والوں کے لئے ناقابلِ قبول تھیں۔ جنت البقیع بہت وسیع وعریض گول دائرہ کی شکل میں بنا دیا گیا ہے۔ اس کے نیچے سڑک کی طرف کمرشل دوکانیں اور بازار ہیں۔ دنیا کی حرص، طلب ولالچ نے زندگی کو اس قدر مکروہ کر دیا ہے۔ کہ ایسے مقدس مقامات پر آنے کے بعد بھی وہ روحانی اثر وکیف جو دلوں میں پیدا نہیں ہوتا۔ جو اس جگہ کے متقاضی ہوا کرتا تھا۔ ہر طرف سبز گنبد کے مینارے بھی اونچی اور بلند ہوٹلیں بکھری پڑی ہیں۔

حضور اکرمؐ کی وصال کے کچھ دنوں بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ اونٹوں پر سوار مدینہ سے شہر طائف جارہے تھے۔ راستے میں ان کے ساتھی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا؟ یا اخی! حضور اکرمؐ کی مدینہ کی زندگی صرف دس سال رہی۔ اس تھوڑے سے عرصے میں کیا آپ سمجھتے ہیں؟ کہ اللہ کا پورا قرآن اور اس کا پیغام لوگوں تک پہونچادیا گیا ہے میرا خیال یہ ہے۔ کہ آپ کچھ اور سال زندہ رہتے تو اسلام کو بہت فروغ حاصل ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ تمہیں اس بارے میں شک کیوں ہے؟ اور مجھے یقین ہے کہ رسول اللہؐ جس کام کے لئے بھیجے گئے تھے اس کو پورا پورا لوگوں تک پہونچادیا ہے۔ اس دنیا میں سارے کام اللہ کے حکم سے چلتے ہیں۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو ہم چل کر تصدیق کر لیتے ہیں۔ باتیں کرتے ہوئے سفر آسان ہوجاتا ہے۔ کچھ دور جا کر دیکھا کہ وہاں اونٹ اور بکریاں چر رہی ہیں۔ وہ وہاں چرواہے کے پاس پہونچے اور اپنے اونٹوں کو وہاں بیٹھادیا۔ تاکہ وہ وہاں آرام کریں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس چرواہے سے پوچھا! کہ یہ مویشی کس کے ہیں؟ اس نے بتایا کہ یہ لوگوں کی امانت ہے اور اجرت پر انھیں چرانے روز لایا کرتا ہے۔ آپ نے اس سے کہا! کہ ہم دو مسافر بھوکے پیاسے ہیں۔ تم ہمیں اپنی کسی بکری سے تھوڑا سا دودھ نکال کر ہمیں دے دو۔ ہم تمھیں اس کی اجرت بھی دے دیں گے۔ چرواہے نے کہا کہ بکریاں میری ملکیت نہیں یہ میرے پاس امانت ہیں۔ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر میں ایسا نہیں کرسکتا۔ آپ نے فرمایا ان بکریوں کا مالک یہاں کہیں نہیں ہے۔ اگر وہ یہاں ہوتا۔ تو ہم اس کی اجازت لے لیتے۔ اب تم ہی اس کے مالک ہو۔ اور مالک تو دیکھ بھی نہیں رہا ہے۔ نہ اس کو اس کی خبر ہوگی تم ہماری مدد کرو۔ بھوکوں کو کھلانا اور پلانا تو ثواب ہے۔ چرواہے نے جواب دیا! آپ کی بات بہت صحیح ہے۔ مگر میرا

کہ انھوں نے دوسری طرف منہ مبارک پھیرلیا۔اور حکم آیا! کہ کوئی بھی مسلمان ان تینوں سے نہ بات کرے گا۔اور نہ سلام کا جواب دے گا۔یہ رسول اللہؐ کے نافرمان ہیں۔دوسرے دن ایک اور حکم آسمان سے آیا۔اوران کی بیویوں کو حکم دیا گیا۔کہ وہ اپنے شوہروں کا کوئی کام نہ کریں۔اور نہ کھانا پکا کر دیں۔اور گھر چھوڑ کر میکے چلی جائیں۔یہ تینوں صحابہ اللہ اوراس کے رسولؐ کی عتاب میں روتے رہے۔اپنی غلطی کی معافی مانگتے رہے۔بڑا برا حال ہوگیا تھا۔ان میں سے ایک صحابی نے خود کو مسجد نبویؐ میں لاکر کھجور کے استوانے سے رسیوں سے باندھ لیا۔اور کہا کہ جب تک حضور اکرمؐ انھیں معاف نہیں کر دیتے اور اپنے ہاتھ سے یہ رسیاں نہیں کھولینگے۔جب تک وہ وہاں بندھے رہینگے۔

اللہ تعالی کا یہ عتاب ان تینوں پر پچاس دن تک رہا۔اوران کی غلطیاں معاف ہوئیں اور آسمان سے ان کے لئے معافی کا حکم آیا۔اللہ کے رسولؐ نے سب سے پہلے مسجدِ نبویؐ کے استوانے سے اپنے ہاتھ مبارک سے ان کی رسیاں کھولیں۔اور باقی دو کو ان کے گھروں میں جا کر یہ معافی سنائی گئی۔تینوں نے اللہ کے رسولؐ سے معافی مانگی اور رسولؐ سے پوچھا؟ کہ ہم اس قصور کی معافی پر اللہ کا کس طرح شکریہ ادا کریں۔آپؐ نے فرمایا کہ ایسے وقت پر کچھ اپنا محبوب مال اللہ کی راہ میں فدیہ یا صدقہ کر دو۔ان تینوں نے گھر جا کر اپنی اپنی بیویوں کو خوشخبری سنائی۔اور گھر واپس لائے اور وہ باغ کھجوروں کا جن کی محبت حرص ولالچ میں تاخیر ہوئی تھی۔اس کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔سورہ توبہ میں اس کی تفصیل آئی ہے۔قرآن پڑھیں تو سمجھیں۔کہ اللہ تعالی اور رسولؐ کے حکم ماننے میں اور عمل کرنے میں ہم جو دن رات سستی وغفلت کرتے رہتے ہیں۔ہم اللہ اوراس کے رسولؐ کے کس قدر عتاب میں ہوتے ہیں۔

سونے چاندی کے زیورات اور ملبوسات وہاں آنے والی عورتوں کی دلچسپی اور شوق خریداری میں مرد بھی بھٹکتے رہتے ہیں۔ ٹیکسی والوں کا ہجوم جدہ مکہ کی آوازیں لگا رہا تھا۔ کہ دور فاصلہ کی سواری چاہو تو ملے گی۔ ورنہ پیدل سفر کرو۔ پاکستان کا مدینہ ہاؤس مسجد نبویؐ سے کافی فاصلہ پر ہے۔ یہ عمارت کئی منزلہ ہے۔ لیکن کوئی اس کا رکھوالی اور خبر گیری کرنے والا نہیں نظر آتا تھا۔ ہمیں اس سے واسطہ بلکل نہیں تھا۔ ہم واپس اپنے ہوٹل چلے آئے۔ آج ہمیں مدینہ ہلٹن سے نمازِ ظہر کے بعد جدّہ کی طرف نکل جانا تھا۔ تاکہ تین بجے جدہ انٹرنیشنل ائیرپورٹ سے ہمیں مصری ائیرلائن کے ذریعے کراچی پہونچنا تھا۔

کیوں نہ دوزخ کو بھی جنت سے ملا لیں یارب　　　　سیر کے واسطے تھوڑی سی جگہ اور سہی

صبح ۱۱ بجے ہم کراچی پہونچے اور جناح ٹرمنل سے باہر آئے۔ ہمارے خاندان کے سب لوگ ہمارے استقبال کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ ائیرپورٹ ہی پر ہم نے شاہین ائیرلائن سے راولپنڈی جانے کی سیٹیں محفوظ کرالیں تھیں۔ بارہ بجے ہم گھر پہونچے۔ اور جمعہ کی نماز کی تیاری میں مصروف ہوگئے۔ ہمارا قیام کراچی میں دو دن کا تھا۔ گھر پہونچنے کی جو خوشی اور اپنوں سے ملنے کی جو فرحت ہم کو ہوئی۔ وہ کیفیت ہماری بیگم کی نہیں تھی۔ اور ہو بھی کیسے یہاں ان کا میکہ تھا۔ ان کو جلدی پنڈی جانے کی تھی۔ جہاں ان کے ماں باپ اور بہن بھائی تھے۔ اور کرسمس کا دن بھی تھا۔ چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہر طرح سے وہاں موجود تھیں۔ اسلام آباد اور راولپنڈی اب دو الگ الگ شہر نہیں رہے۔ ان کی وسعت اور رونق دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی پر

تھیں۔ وہ اب بہت بڑی آبادی کا پررونق شہر بن گیا ہے۔ اب تو وہاں کا موسم بھی بدل گیا ہے۔
اور وہاں کے لوگ بھی بدل گئے ہیں۔ ہم اپنے دوستوں شناسوں سے ملنے کی تمنا لے کر گئے تھے۔
جن کے ساتھ ہم نے اپنی سرکاری ملازمت کی ابتداء کی تھی۔ اور بڑا اچھا وقت گزارا تھا۔ بھی یادیں
اور باتیں کبھی کبھی آ کر ماضی کی یادیں تازہ کردیتی ہیں۔ ہمارے لئے وہاں دیکھنے کے لئے کچھ بھی
نہیں تھا۔ ہمارے دن رات بیٹھک کے جو ساتھی تھے اب وہ شاہ کے مصاحب بن چکے تھے۔
جان پہچان کی عقدِ ثریا کی ساتھ سہیلیاں اپنے اپنے سات آسمانوں میں اڑی جا رہی تھیں۔ رسم حنا
بندی میں ہم دیر سے پہنچے تھے۔ ہمیں اس کا حساب دینا پڑا۔ تمنا بے قرار آئی تماشا کامیاب آیا۔
ہم اسلام آباد سے کراچی واپس آ گئے اور یہ مصرعہ کہاں سے ہمارے ذہن میں آ گیا تھا۔

اے عافیت کنارہ کر کہیں اور لے کر چل